حیات امیر خسرو

برصغیر پاک و ہند کے جامع الصفات بزرگ امیر خسرو کے حالات و سوانح
ان کے علمی، ادبی، فنی، ظاہری اور باطنی کمالات کا دل کش مرقع،

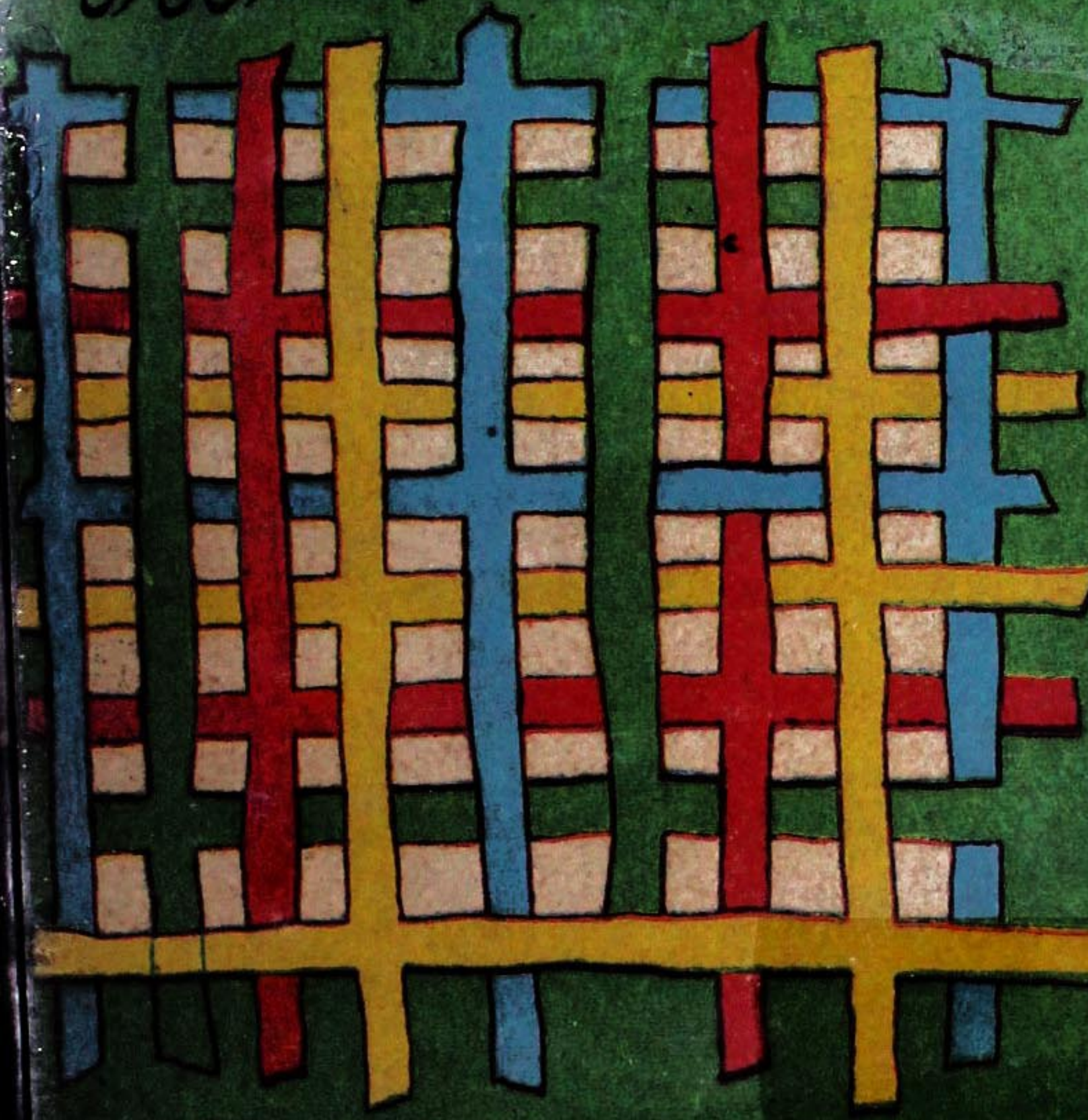

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز
کشمیری بازار لاہور — بندر روڈ کراچی

16

حیاتِ امیر خسرو

برِصغیر پاک و ہند کے جامع الصّفات بزرگ امیر خسرو کے حالات و سوانح
ان کے علمی، ادبی، فنّی، ظاہری اور باطنی کمالات کا دِل کش مُرقّع،

نقی محمّد خاںؔ خورجوی

کتاب منزل۔ کشمیری بازار۔ لاہور

Marfat.com

Marfat.com

حیاتِ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

مع

ایجادِ موسیقی

از

نقی محمد خان خورجوی

شیخ غلام علی اینڈ سنز پرنٹرز پبلشرز

کشمیری بازار ——— بندر روڈ
لاہور کراچی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

137117

سلسلہ مطبوعات نمبر ۱۰۲

شیخ نیاز احمد پرنٹرز و پبلشرز نے

علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور سے

چھپوا کر کتاب منزل کشمیری بازار لاہور

سے شائع کیا

Marfat.com

ابواب

پیدائش نسب اور تعلیم	۲۵
شہرت عروج اور اعزاز شاہی	۴۰
سلسلہ بیعت طریقت اور وفات	۶۰
ہندی شاعری پہیلیاں اور مکرنیاں	۸۱
فارسی شاعری	۱۰۱
تصانیف	۱۲۷
ایجاد موسیقی	۱۴۴
امیر کے اوصاف اور ختم کتاب	۲۳۶

Marfat.com

مصنّف کی دیگر تصانیف

بزمِ حسیناں
زینت الحرم
اعجوبۂ اسرار
طلسمِ ہستی
انتخاب و پسند
بقول شخصے
مذاقِ سلیم

میلادِ شریف
شیطان کی خالہ
علاج بالغذا
گل نورستہ
تاریخ قدیم خورجہ
تاریخ خاندانِ خلیل
عمرِ رفتہ

Marfat.com

چند قیمتی رائیں

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب بابائے اُردو

اس سرزمین سے حضرت امیر خسرو جیسا صاحبِ ذوق، ذی کمال و جامع صفات شخص اب تک پیدا نہیں ہوا۔ وہ فارسی کے نہایت بلند پایہ شاعر ہیں۔ اُستاد غزل شیخ سعدی مانے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر کسی کو ان کی ہمسری کا دعویٰ ہو سکتا ہے تو وہ حضرت امیر ہیں۔ ان کے کلام کی فصاحت روانی اور خاص کر سوز و گداز جس میں تصوف کی چاشنی بھی شامل ہے اپنا جواب نہیں رکھتی۔ یوں تو ہر اہل زبان کو اپنی ہی زبان کا غرّہ ہوتا ہے لیکن اہلِ ایران اس معاملہ میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ وہ کسی غیر ایرانی کے کلام کو خاطر میں نہیں لاتے، لیکن حضرت امیر کے سامنے انھیں بھی جھکنا پڑا۔

تذکرہ نویسوں اور امیر کے سوانح نویسوں نے ان کے حالات

کلام اور تحریر سے بھی اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ وہ فن موسیقی کے بھی استاد کامل تھے اور ضمنی یا سرسری طور پر ذکر اس کمال کے متعلق بھی کیا ہے۔ لیکن کسی نے تفصیل سے یہ نہیں لکھا کہ آپ نے اس فنِ لطیف میں کیا کیا اختراعات و ایجادات کیں۔ ہندی اور ایرانی موسیقی کی ترکیب اور تدوین میں کون کون سے نئے راگ ایجاد کیے اور کون کون سے ساز آپ کی طبعِ ایجاد آفرین کے رہینِ منت ہیں۔ غرض حضرت امیر کے اس کمال کی تفصیل سے تمام تذکرے اور ان کی سوانحِ حیات خالی ہیں، معلومات کا فقدان اور فن کی دشواریاں ایسی ہیں کہ کسی کو اس پر قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہ سعادت خان بہادر نقی محمد خان صاحب کی قسمت میں لکھی تھی انھوں نے کمال محنت اور تحقیق سے اس دشوار کام کو انجام دیا اور ان تمام ماخذوں سے استفادہ حاصل کیا جن تک دسترس ممکن تھی۔ بلکہ ان تحریروں اور تصانیف تک بھی رسائی حاصل کی جو اب تک کمیاب تھیں اور بظاہر دسترس سے باہر خیال کی جاتی تھیں۔
فاضل مصنف نے اپنی سعی کو صرف کتابوں کے مطالعہ تک ہی محدود نہیں کیا۔ بلکہ ماہرینِ فن سے مشورہ کر کے ہر نکتہ کو سمجھا اور لکھا ہے۔ اس جستجو اور تحقیق میں انھوں

Marfat.com

نے اس فن میں اتنی مہارت ضرور حاصل کر لی ہوگی جو اس بڑھاپے
میں ان کی تفریح طبع کے لیے اچھا خاصا لطیف شغل کا
باعث بن جائے گی جو "ہم حظ نفس ہست وہم قوت روح"
فاضل مصنف کی سعی بلیغ سے امیر کے کمال کا وہ حصّہ تو
روشنی میں آگیا جو اب تک تشنۂ تکمیل تھا۔ اب صرف ایک
آرزو رہ گئی ہے جس کے پورا ہونے کی بظاہر کوئی صورت
نظر نہیں آتی وہ امیر کا ہندی کلام ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ انھوں نے ہندی میں بھی بہت کچھ کیا ہے۔ ان کے فارسی
کلام میں بہت سے ہندی الفاظ بے تکلف استعمال ہوئے ہیں
اور خود اپنے دیوان "غرۃ الکمال" کے دیباچہ میں تحریر فرماتے
ہیں کہ "جزوے چند نظم ہندی نیز نثر داستان کردہ شدہ است"
لیکن افسوس اب تک ان کا ہندی کا کلام دستیاب نہیں ہوا
یہ بیسیوں پہیلیاں، انملیاں، مکرنیاں ان کے نام سے مشہور ہیں
لیکن ان کی کوئی سند نہیں کہ یہ انہی کی ہیں۔ ممکن ہے۔ بلکہ
اغلب ہے کہ ان میں سے بعض انھی کی ہوں۔ لیکن صدہا
سال سے لوگوں کی زبان پر رہنے سے الفاظ اور زبان
کی ترکیب میں بہت کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان میں
سے اکثر چیزیں ایسی ہیں جن کی زبان اس وقت کی زبان معلوم
نہیں ہوتی۔ اگر امیر کا ہندی کلام مل جاتا تو ہماری زبان کی گتھیاں
سلجھ جاتیں ؎

Marfat.com

شاہد احمد صاحب دہلوی ایڈیٹر "ساقی" کراچی

خان بہادر نقی محمد خان صاحب عجب مجموعہ اضداد ہیں۔
ساری عمر پولیس میں نوکری کی اور ادبی کام بھی کرتے رہے۔
کتابیں لکھیں تو طرح طرح کی۔ "بزمِ حسیناں" زینت الحرم،
تجزیۂ اسرار۔ طلسمِ ہستی۔ میلاد شریف۔ شیطان کی خالہ،
علاج بالغذا وغیرہ نثر ہی نہیں لکھتے، شعر بھی کہتے ہیں۔
معاملہ فہم ایسے کہ جس دیسی ریاست کے معاملات الجھ جاتے
انگریز انھیں سلجھانے کے لیے بھیج دیتے۔ بڑے پکے
مسلمان ہیں۔ صوفی پاک باطن بھی ہیں۔ ماشاءاللہ اسی سال
کی عمر ہے مگر چلتے ہیں تو سروِ رواں معلوم ہوتے ہیں۔ اس
عمر میں لوگ چڑچڑے ہو کر کاٹ کھانے کو دوڑتے ہیں۔
مگر ان کی شگفتہ مزاجی اور بذلہ سنجی کی وجہ سے احباب
انھیں گھیرے رہتے ہیں۔ آنکھیں بہت کچھ جواب دے
چکی ہیں اور ہاتھ بھی لکھنے سے انکار کرنے لگا ہے۔ مگر
ہمت جوان اور طبع رواں رکھتے ہیں۔

امیر خسرو جیسے جامع الصفات بزرگ پر نہایت تحقیق اور
کاوش سے آپ نے ان کے حالاتِ زندگی، اُن کے

Marfat.com

ادبی کارنامے، ان کے ظاہری اور باطنی کمالات پر ۲۴۶ صفحات کی ایک لاجواب کتاب لکھی ہے۔ اسے بھی خسروی کا روحانی فیض سمجھنا چاہیئے کہ ایک بوقلموں شخصیت نے سات سو سال بعد ایک عظیم پہلو دار شخصیت پر نہایت عقیدت کے ساتھ قلم اٹھایا جو آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

افسوس کہ امیر خسرو کے کمالات کو زمانے کی نظر کھا گئی۔ سنو اسے اوپر ان کی تصانیف تھیں۔ اب ملتیں بھی نہیں ہیں اور جو ہیں۔ وہ بھی نایاب۔ جس شخص نے پانچ لاکھ شعر فارسی کے کہے ہوں اس نے اس سے زیادہ نہیں تو اتنے ہی اس زمانے کی اردو کے بھی کہے ہوں گے۔ مگر آج ان میں سے چند پہیلیاں اور کچھ متفرق اشعار باقی ہیں۔ یہی حال ان کی موسیقارانہ ایجادات اور اختراعات کا ہوا۔ خود خسرو کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے موسیقی کے تین دفتر لکھے تھے جو تلف ہو گئے۔

جس طرح خسرو اردو کے بابا آدم ہیں اسی طرح کلاسکی موسیقی کے بھی موجد اور مخترع ہیں جو آج ہندوپاکستان میں رائج ہے اس کتاب کا باب ہفتم خصوصیت سے قابلِ قدر ہے کہ اس میں خسرو کے اسی پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے اپنی ذاتی معلومات تحقیق اور جستجو سے نہایت قیمتی مواد اس

Marfat.com

باب میں جمع کر دیا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ میری تلاش نے مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔ اب آگے اہلِ نظر توجہ فرمائیں۔ مگر اہلِ نظر نے نہ تو پہلے کبھی اس علم و فن پر توجہ فرمائی اور نہ توقع ہے کہ آئندہ کبھی زحمت فرمائیں گے۔ اور جواہرِ خسروی ناقدری کی گرد میں رُلتے رُلتے بالکل ہی محو ہو جائیں گے۔ نقی محمد خان صاحب کا احسان ہے۔ کہ انھوں نے اس کتاب میں جو کچھ بھی انھیں مل سکا اُسے محفوظ کر دیا ہے۔

رسالہ "منادی" دہلی

اس کتاب کے مصنف ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ میاں نے پیدا تو علم و ادب کے لیے کیا تھا۔ لیکن زمانے کی ستم ظریفی سے ہو گئے وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ بہر حال لکھنا پڑھنا ہمیشہ ان کا تفریحی مشغلہ رہا ہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد پاکستان تشریف لے گئے اور ایسے کاموں میں مشغول ہیں۔ جن کی موجودہ زمانے میں بے حد ضرورت ہے۔ تعجب ہے کہ امیر خسرو جیسے جامع کمالات کہ ان کا ثانی تاریخ میں نظر آنا مشکل ہے۔ ان کے بارے

میں تصنیفات برائے نام نظر آتی ہیں۔ خاص طور پر اُردو میں تو بہت کم کام ہُوا ہے۔ خان بہادر صاحب نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور باوجود ضعیفی اور پیرانہ سالی بڑی محنت سے حیاتِ امیر خسرو کو مرتب کیا ہے اور ان کے کمالات موسیقی کے بارے میں تفصیلی مواد فراہم کیا ہے بلکہ چھپا ہُوا خزانہ تلاش کر کے اہلِ ذوق کی نذر کر دیا ہے۔

اے جی آغا صاحب سی۔ ایس۔ پی ریٹائرڈ کمشنر

حیات امیر خسرو کے حالات کی فراہمی میں مصنف نے بڑی کاوش کی ہے جس نے نہ صرف مطالعہ کرنے والوں کے واسطے امیر کی اعلےٰ قابلیت کو بے نقاب کیا ہے بلکہ ان کی ایجاد کردہ موسیقی کو بھی کامل تحقیقات کے بعد شائقین موسیقی تک پہنچا دیا ہے یہ ادبی دنیا کے واسطے ایک نادر کارنامہ ہے یہ کتاب ہماری لائبریریوں میں آئندہ نسلوں کے واسطے بہت کارآمد ثابت ہوگی۔ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ مصنف کی اس محنت سے سندھی بھی فائدہ اٹھائیں اس لیے میں سندھی زبان میں ترجمہ کرنے کے کام کو جلد شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔

Marfat.com

حضرت تمکین کاظمی صاحب حیدر آباد (دکن)

بڑی بے چینی سے مَیں نے حیاتِ امیر خسرو کا مطالعہ کیا مصنف نے بہت محنت کی ہے۔ خصوصاً موسیقی کا حصہ تو بس انہی کے بس کا تھا۔ آج تک کسی نے یہ ہمت نہ کی۔ آفرین باد۔ اس محنت، جگر کاوی اور ژرف نگاہی کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ باب ہفتم میں تو غضب کیا ہے۔ در اصل یہی کتاب کی جان اور امیر خسرو کا ارمان ہے اور واقعی کمال ہے۔ جس عمدگی سے یہ باب لکھا گیا ہے مجھ جیسے ناواقف کو بھی واقفیت ہو گئی۔ میری دُعا ہے کہ خان بہادر صاحب تا دیر سلامت رہیں اور ملک کی علمی ادبی اور فنی خدمت انجام دیتے رہیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہ مئے گل رنگ اے ساقی پلائے گا کسے
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

اس کتاب کی تالیف کے واسطے نہ تو عمر ہی اس قابل تھی اور نہ بینائی۔ گویا جسم کا ہر حصّہ بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہے۔ کیوں نہ ہو اسی سال کی عمر میں تو محض سانسوں کا شمار ہی باقی رہ جاتا ہے۔ کچھ تو حضرت امیر کا فیض روحانی۔ کچھ میری عقیدت مندی اور قومی ضرورت کا احساس تھا۔ جس نے مجھے اس کام کے واسطے آمادہ کیا۔ ضعیف کی تو رائے اور ارادہ بھی ضعیف ہوتا ہے۔ لیکن قدرت نے کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیے کہ ہر دشواری آسان ہو گئی اور شوق کی رہبری نے بالآخر کشاں کشاں منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

میں خیال کرتا ہوں کہ تالیف کے مقابلہ میں تصنیف زیادہ سہل ہے۔ جس موضوع پر لکھنا چاہا۔ قلم برداشتہ اپنی معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا۔ تالیف میں اوّل تو حسب دلخواہ کتابوں کی فراہمی کی دشواری کیا کم ہے۔ اگر یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے تو مختلف الخیال مورخوں، مصنفوں اور مولفوں کی معلومات

سے واسطہ پڑتا ہے۔ جن کے خیالات میں ہم آہنگی نہ ہونے
کے باعث صریحاً اختلاف رونما ہوتا ہے اس لیے کسی صحیح
نتیجہ پر پہنچنے میں کافی دشواری پیش آتی ہے۔ بالعض اہل قلم
واقعات کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنانے کے واسطے کچھ
ایسے انداز میں لکھ جاتے ہیں کہ ان کو عقل تسلیم کرتی ہے نہ
اس کی صداقت کی کوئی سند ہوتی ہے۔ اگر مولف اس کی تردید
کرتا ہے تو مضمون کا تسلسل اور کتاب کی لطافت زائل ہوجاتی
ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی تاریخ اس الجھن سے خالی نہیں ہے۔
میرے واسطے ایک دشواری یہ بھی تھی کہ چند مختصر کتابیں جو
حیات خسرو کے نام سے شائع ہوئی ہیں برِ اعظم ہند و پاکستان
میں تقریباً ناپید ہیں۔ باوجود تمام امکانی کوشش کے جب
میں مایوس ہوگیا تو اہل علم اور صاحب ذوق حضرات کی
تلاش شروع کردی اور متفرق طور پر جو کتابیں دستیاب ہوئیں
اُن میں بزم صوفیہ تذکرہ اولیائے کرام خمخانہ جاوید نقل مجلس
مرتبہ شادی لال مطبوعہ ۱۸۸۰ء شعر العجم اور اعجاز خسروی
قابل ذکر ہیں۔ لیکن ان کتابوں کی حیثیت سوانح حیات کی نہ
تھی بلکہ ضمناً کچھ حالات امیر کے بھی تھے۔

لطف کی بات تو یہ ہے کہ کتاب کی رسم بسم اللہ مجھ اسّی
سالہ بوڑھے کو نوّے سالہ بوڑھے نے ادا کرائی۔ یعنی

Marfat.com

اعجاز خسروی کی دو ضخیم فارسی کی جلدیں ڈاکٹر عبدالحق صاحب بابائے اُردو نے یہ کہہ کر میرے سامنے رکھدیں کہ یہ تبرک موجود ہے: میں نے اسی تبرک کو غنیمت سمجھا۔ آنکھوں سے لگایا، سر پر رکھا اور لائبریری ہی میں بیٹھ کر کام کی بسم اللہ کی۔ پیر حسام الدین راشدی صاحب جو کراچی کے روساء میں سے ہیں اور جن کی لائبریری میں تقریباً تیرہ ہزار کتابیں موجود ہیں۔ ان سے اکثر کتابیں مل گئیں۔ ان کی ہمت افزائی کا میں شکر گذار ہوں۔ منجملہ دیگر کتابوں کے حیات خسرو مولفہ ڈاکٹر محمد سعید مارہروی مطبوعہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء اور مقالہ پروفیسر ڈاکٹر محمد وحید مرزا مطبوعہ ۱۹۴۹ء سے مجھے کافی مدد ملی۔ کیونکہ جن کتابوں سے ان ہر دو اصحاب نے استفادہ حاصل کیا ہے۔ ان کی تعداد کم و بیش ایک سو ہے جو حسب ذیل ہیں۔

عناصر خسرو۔ ملفوظات خواجگان چشت۔ تذکرہ آتشکدہ آذر۔ مرآۃ الخیال۔ خزانہ عامرہ۔ کلمات الشعراء۔ شمع انجمن۔ نگارستان سخن۔ جواہر فریدی۔ سبع سنابل سفینہ اولیاء۔ سیر الاولیا۔ مونس الارواح۔ تذکرہ اولیائے ہند۔ تذکرۃ الکاملین۔ مطلع العلوم۔ تاریخ فرشتہ۔ منتخب التواریخ۔ بہارستان جامی۔ مثنوی

قرآن السعیدین۔ مطلع الانوار۔ ہشت بہشت۔ لیلیٰ مجنوں
خیالاتِ خسرو۔ رسائل اعجاز خسروی۔ عناصرِ خسرو۔
تذکرہ دولت شاہ۔ نفحات الانس۔ تاریخ جدولیہ۔
تذکرہ آبِ حیات۔ تاریخ ہند۔ تاریخ فیروز شاہی۔
بادشاہ نامہ۔ سیرت المتاخرین۔ دول رانی۔ خضر نامہ۔
خزائن الفتوح۔ تزک جہانگیری۔ اورینٹل بایوگرافیکل
ڈکشنری۔ آئینہ سکندری خسرو (انڈیا آفس) آئین اکبری
اخبار الاخیار (عبدالحق دہلوی) المنتخری۔ آتشکدہ۔
سفرنامہ ابن بطوطہ۔ انشا امیر خسرو (انڈیا آفس) بابر نامہ
انگریزی۔ باغ و بہار میر امن۔ تاریخ علائی یا خزائن الفتوح
(برٹش میوزیم) تاریخ فیروز شاہی (ضیاء الدین برنی)۔
تحفۃ الصغر (انڈیا آفس) تاریخ رشیدی (مرزا حیدر)
جواہر خسروی (علیگڑھ) حاجی خلیفہ۔ کشف الظنون۔
خسرو کی ہندی کوتیا (بنارس) دیوانِ حسن (برٹش میوزیم)
راگ درپن (فقیر اللہ) (انڈیا آفس) شیرین (انڈیا آفس)
صوت المبارک (واجد علی شاہ لکھنؤ) طبقاتِ ناصری۔
ظفر نامہ۔ دول رانی (برٹش میوزیم) فوائد الفوائد (امیر حسن)
(انڈیا آفس) کلیات خاقانی (لکھنؤ) مجالس فانس۔
لیلیٰ مجنوں خسرو۔ منتخب التواریخ۔ بدایونی وغیرہ۔

Marfat.com

مولانا شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ تقریباً بیس سے کچھ زائد کتابیں امیر کی ہندوستان کے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں۔ لیکن نہ کتابوں کے نام لکھے اور نہ کتب خانوں کے۔ شعر العجم کو چھپے ہوئے بھی آدھی صدی کا زمانہ گذر گیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کتب خانے اور کتابیں عالمِ وجود میں ہیں۔ ڈاکٹر محمد وحید مرزا لکھتے ہیں کہ امیر کی معلوم شدہ کتابوں میں سے سوائے تین کتابوں کے بقیہ برٹش میوزیم میں سب موجود ہیں۔ لیکن ان تین کتابوں کے نام نہیں لکھے۔

میری نظر سے جس قدر بھی کتابیں گذریں۔ ان میں مشہور واقعات کم و بیش یکساں ہیں۔ البتہ کسی تذکرہ نویس نے طوالت اور کسی نے اختصار سے کام لیا ہے۔ جن واقعات میں صریحی اختلاف ہے۔ ان کو میں نے غیر ضروری خیال کر کے نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ پڑھنے والوں کو الجھن ہوتی ہے۔

بہر حال اس پر تمام مورخوں اور تذکرہ نویسوں کو اتفاق ہے کہ امیر کی تصانیف کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا اور یہ مرثیہ کچھ نیا نہیں ہے۔ جس نے بھی امیر کی سوانح حیات لکھی ہے وہ گویا ان کی گم شدہ تصانیف کا ایک نہ ختم ہونے والا مرثیہ ہے۔ جو ان کی یاد کے ساتھ قائم رہے گا۔

حقیقت میں حضرت امیر کا زمانہ کچھ ایسا منقلب واقع

Marfat.com

ہُوا تھا کہ ساری عمر میں انھوں نے گیارہ بادشاہوں کی حکومت دیکھی اور ان میں سات بادشاہوں کی ملازمت بھی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کو سپہ گری دربار داری، شعر گوئی، دنیاداری اور عبادتِ الٰہی کے واسطے کہاں سے وقت مِل جاتا تھا۔

اس پر بھی سب کو اتفاق ہے کہ گذشتہ چھ سات سو سال سے کوئی امیر جیسا جامع کمالات شخص پیدا نہیں ہُوا۔ یہاں تک کہ ایران اور روم کی خاک سے بھی ہزاروں برس کی مدت میں شاید دو چار ہی امیر کے ہم پلہ پیدا ہوئے ہوں۔

کیسی عجیب بات ہے کہ وہ استاد جس کی دامنِ تربیت میں خسرو جیسا شخص پل کر بڑا ہُوا ہو آج اس کا نام و نشان تک کسی کو معلوم نہیں۔ شاعری اور موسیقی میں بھی امیر نے خود لکھا ہے کہ میرا کوئی اُستاد نہیں۔ زبان دانی کے لحاظ سے ترکی، فارسی، اُردو، ہندی، سنسکرت سب ہی کے ماہر تھے۔ تقی اوحدی اپنے تذکرہ میں جو ۱۰۲۴ھ میں ختم ہُوا ہے۔ لکھتے ہیں کہ امیر کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ تھا جو ضائع ہو گیا اور جو زمانے کی دست برد سے بچ گیا تھا وہ بھی اب تک پردہ اخفا میں ہے۔ موسیقی میں جو کمال حاصل کیا تھا وہ بھی اس پایہ کا تھا کہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔ خود امیر کے الفاظ یہ ہیں

Marfat.com

نظم را کردم سہ دفتر در بہ تحریر آمدی
علم موسیقی سہ دیگر بود از بادر بود

گویا موسیقی کا بیش بہا ذخیرہ انہی کی زندگی میں ضائع ہو گیا تھا۔ ساتویں صدی ہجری کا بہترین نمونہ اُردو کا حضرت امیر کی ہندی نظموں میں پایا جاتا ہے۔ جس سے نہ صرف اس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس زمانے میں جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زمانے سے کچھ زیادہ غیر مانوس نہ تھی۔ جن واقعات نے ہمیں ان کی تصانیف سے محروم کر دیا ہے اس کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو اس کا سمجھنا دشوار نہ ہو گا۔ علمی قدر دانی اور کتب خانوں کی حفاظت امن و امان کے زمانے میں ہوا کرتی ہے۔ امیر کا زمانہ اس کے واسطے سازگار نہ تھا۔ یعنی خود ان کے زمانے سنہ ۶۵۰ھ اور اس کے بعد دو ڈھائی سو برس برابر ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ قتل و غارت گری کا بھی اکثر بازار گرم رہا۔ اور اس آئے دن کی مصیبت اور ملکی تغیرات نے اور بھی کسی کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور سینکڑوں نادر الوجود کتابیں ضائع ہو گئیں اس کے بعد اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب کے پر امن زمانے آئے اور محض ان کی علمی قدر دانی کی وجہ

سے جو کتابیں اور دفاتر جمع ہو سکے ان میں سے کچھ تو ۵۷ء
کے خوفناک غدر میں تباہ ہو گئے اور جو کچھ باقی بچا وہ یا تو ہماری
اپنی شامت اعمال کی وجہ سے اور کچھ اہل یورپ کی علمی قدردانی
کی وجہ سے یورپ کے کتب خانوں میں پہنچ گیا
مولانا حالی نے صحیح لکھا ہے کہ وہ علمی خزانے جن کی کنجیاں
فیاضِ ازل نے مسلمانوں کو بخشی تھیں آج دوسری قوموں کے
ہاتھ میں ہیں۔ ایک عیسائی مؤرخ ڈاکٹر لیٹنر لکھتا ہے۔ کہ
"مسلمان تو بہت ہیں مگر وہ جانتے کیا ہیں۔ اگر آج غزل کا
ایک عمدہ دیوان یا تاریخ کی ضرورت ہو تو یورپ سے لینی
پڑے گی۔" ابنِ خلدون، ابوریحان۔ حاجی خلیفہ۔ ابن بطوطہ
ابن الاثیر اور مقریزی وغیرہ جو اسلام میں آسمانِ علم کے
آفتاب مانے جاتے ہیں اب ہندو پاکستان میں ان کو کوئی جانتا
بھی نہیں۔ اسی طرح تابط، شرا، امرالقیس، عنترہ، حاتم،
بحتری کے دیوان کتنے لوگوں نے پڑھے ہیں حالانکہ یورپ
میں صدہا آدمی یہ کتابیں پڑھتے ہیں۔
دور کیوں جایئے حضرت امیر خسرو جن کا ثانی مشکل ہی سے
ملے گا۔ ان کی وہ طبع شدہ کتابیں جو ضائع ہونے سے بچ
گئی ہیں۔ کتنے لوگوں نے شوق سے پڑھی ہیں۔ اس کا اندازہ
اسی سے ہوتا ہے۔ کہ وہ دوبارہ شائع نہ ہوئیں۔ نہ ان کے

Marfat.com

اقتباسات کسی درسی کورس میں شامل کیے گئے۔ اصلیت یہ ہے کہ قوم کو ابھی تک صحیح طور پہ علمی اور ادبی ذوق پیدا نہیں ہوا ورنہ وہ تنگ نظری اور تنگ خیالی کو راہ نہ دیتے اور نہ زبان کے مسئلہ کو الجھا کر صوبائی تعصب کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیتے۔ اس بارے میں قوم کو غیرت دلانے کے واسطے اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہم اُردو کو عربی کیوں نہ کریں اُردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں
جھگڑے کے لیے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں
آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں بس ایک اکھاڑا قائم ہے
جب ملک کا اس سے دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

ایک نادر الوجود مرقع خاندان چشتیہ کا مجھے بطور تحفہ خان بہادر اکبر حسین صاحب الہ آبادی نے ۱۹۰۷ء میں دیا تھا جس کی پشت پر شاہی عجائب خانہ دہلی کی مہر اور منتظم کے دستخط مع تاریخ اور سنہ موجود تھے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ لوٹ مار کے زمانے میں کسی ذریعہ سے لکھنؤ نواب اودھ کے عجائب خانہ میں پہنچا ہوگا۔ جس کا ثبوت پشت کی تحریر سے ملتا ہے۔ جب وہ کتب خانہ یا عجائب خانہ بھی تباہ ہوا تو اکبر مرحوم نے وہ مرقع کسی سے خرید لیا تھا۔ جس کو میں نے ۱۹۰۹ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میوزیم کو دے دیا تھا۔

لیکن ایک ہی سال کے بعد میں نے معلوم کیا تو وہ وہاں سے غائب تھا۔ البتہ فوٹو اس کا میرے پاس موجود ہے۔ یہی حشر نادر الوجود قدیم کتابوں کا ہوا ہوگا۔

اس کتاب میں میں نے تاریخی واقعات اور عام حالات کو مدِ نظر رکھ کر صرف وہی حالات اخذ کئے ہیں جو عوام کی دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں۔

امیر کی تصانیف کو نہ ہر شخص پڑھ سکتا ہے اور نہ اوسط درجہ کی قابلیت رکھنے والا سمجھ سکتا ہے اور نہ کتابیں آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اس کتاب میں تمام کار آمد باتیں موجود ہیں۔ چونکہ حضرت امیر کی ایجاد موسیقی پر تبصرہ کرنا مقصود ہے جس کو سات سو سال سے سب ہی نظر انداز کرتے رہے ہیں اس لیے ان کے بقیہ حالات زندگی کو ایک ضمنی کام سمجھ کر انجام دیا ہے۔

آغا شمس الدین حیدر لکھنوی سے جو موسیقی کے ماہر اور عرصہ دراز تک میرس میوزک کالج لکھنؤ کے وائس پرنسپل بھی رہ چکے ہیں مجھے موسیقی کے سلسلہ میں کافی مدد ملی جن کا شکر گذار ہوں۔

شاہد احمد صاحب دہلوی کا شکریہ ادا نہ کرنا بڑی احسان فراموشی ہوگی۔ کیونکہ انھوں نے نہ صرف حضرت امیر کی

137117

Marfat.com

تصویر کا مرقع اور روضہ کا فوٹو عنایت فرمایا بلکہ ان کے مفید مشوروں سے باب ہفتم کی تکمیل میں کافی مدد ملی ---

شاہد صاحب شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کے پوتے اور رسالہ "ساقی" کے ایڈیٹر ہیں۔ علمی اور ادبی ذوق تو ان کا خاندانی ورثہ ہے جس کو وہ سالہا سال سے انجام دے رہے ہیں۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ وہ انڈین کلاسیکل میوزک کے بھی ماہر ہیں اور باوجود انتہائی مصروفیت کے اہل علم اور اہل ذوق ان کو گھیرے رہتے ہیں جس کی بڑی وجہ اُن کا ایثار، خلوص اور ہر دل عزیزی ہے۔

آخر میں میں اس کتاب کو بکمال ادب و عقیدت اپنے پیر طریقت حضرت مولانا شاہ ابوالخیر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی پر معنون کرتا ہوں آپ کی ذات بابرکات اس آخری زمانے میں معتنمات سے تھی اور اس سرچشمہ روحانیت سے ہزاروں تشنہ لب سیراب اور گم کردہ راہ فیضیاب ہوئے ہیں۔

نقی محمد خان خورجوی

سنہ ۱۹۶۰ء

Marfat.com

Marfat.com

باب (۱)

سلسلہ نسب پیدائش اور تعلیم

ابتدائی حالات تقریباً سب نے یکساں لکھے ہیں لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا صاحب نے زیادہ وضاحت سے حالات خاندانی پر روشنی ڈالی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بارہویں صدی عیسوی کا زمانہ عالم اسلامی کے واسطے بعض لحاظ سے نہایت مبارک تھا۔ یعنی تہذیب اور تمدن کا وہ شاداب چمن جس کو مسلمان حکمران علماء اور فضلاء نے اپنی اَن تھک کوششوں اور بے مثل جاں فشانی سے صدیوں تک سینچا تھا۔ اس زمانے میں اپنی پوری بہار پر تھا۔ ابھی وہ طوفان بلاخیز وہ تباہ کن آندھی یعنی چنگیز خانی یورش کی گرم ہوا جس نے اس لہلہاتے ہوئے باغ کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا۔ چلنا شروع نہ ہوئی تھی۔ لیکن اسلامی سلطنت کا پرانا مضبوط شیرازہ البتہ بکھر چکا تھا۔ اور یہ عظیم الشان سلطنت جس کی مثال آسمان نے بھی نہ دیکھی ہوگی۔ الگ الگ ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ بغداد کے خلیفہ سرکش اور زبردست امراء کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنے ہوئے تھے اور دارالاسلام کی چہار دیواری کے اندر ہی ان کی حکومت تھی۔ اس کے باہر ان کا سیاسی اثر برائے نام تھا۔ البتہ خلیفہ

Marfat.com

کی مذہبی قیادت زیادہ تر مسلمان ملکوں میں تسلیم کی جاتی تھی۔ اور ان ملکوں کی علمی اور ادبی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مشرقی ممالک کے شہر خصوصاً سامانی اور غزنوی حکمرانوں کی علم پروری اور ہنر پروری کی وجہ سے نہ صرف تجارت اور دولت کا گہوارہ تھے بلکہ علم و فن کے بھی بڑے مرکز بن گئے تھے۔

قزوین، بلخ، بخارا، شیراز، اصفہان غرضیکہ یہ سبھی ایسے شہر تھے۔ جو شان و شوکت میں بغداد سے ہمسری اور دمشق سے روکشی کا دعویٰ رکھتے تھے۔ جن کی بڑھتی ہوئی آبادی ان کی چہار دیواری میں نہ سماتی تھی۔ جہاں دور دور سے سیاح اور طالب علم کھنچے چلے آتے تھے اور جہاں کی زمین حقیقت میں سونا اگلتی تھی۔ یہ تو سب کچھ تھا۔ لیکن سلطنت کا مختلف بادشاہوں میں تقسیم ہو جانا قدرتی طور پر آپس کی رقابت کو فروغ دیتا تھا اور اگر یہ رقابت محض علمی اور ادبی میدانوں تک ہی محدود رہتی تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا شوق اکثر ان حکمرانوں کو میدانِ جنگ میں بھی لا کھڑا کرتا تھا۔ اس لیے اگر ایک طرف بے دریغ روپیہ خرچ کر کے اپنے دربار میں عالموں، ادیبوں اور شاعروں کو جمع کرنے کا شوق تھا تو دوسری طرف اپنے حریفوں کے مقابلہ اور اپنے ملک کی حفاظت کے لیے فوجی انتظامات اور جنگی ساز و سامان تیار رکھنے کا فکر دامن گیر رہتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان ملکوں میں سیاسی اور فوجی نظام قائم ہو گیا تھا جو یورپ کے قرونِ وسطیٰ کے نظام سے بہت

Marfat.com

کچھ ملتا جلتا تھا یعنی ہر ایک امیر کا فرض تھا کہ وہ لڑائی کے موقع پر اپنے بادشاہ کو ایک مقررہ تعداد سپاہیوں کی فراہم کرے اور ان کے اخراجات کا بھی خود کفیل ہو۔

یہ وہ زمانہ نہ تھا جب عوام بلا فوج میں بھرتی ہوئے لڑائی پر روانہ ہو جاتے یا حسب ضرورت کچھ لڑائی کے موقعہ پر بھرتی کر لیے جاتے تھے۔ بعض علاقوں اور قوموں کے لوگ خاص طور پر فوجی ملازمت کے لیے پسند کیے جاتے تھے اور ان قوموں میں ترکوں کو بنی عباس کے ابتدائی دور سے اپنی دلیری اور شجاعت کی بناء پر خاص امتیاز حاصل ہو چکا تھا اس لیے عباسی خلفاء کو جب سرکش عربوں اور ایرانیوں کو دبانے کی ضرورت ہوئی تو ان کی منظر انہی جفاکش اور جنگ جو لوگوں پر پڑی اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ترکوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی سپہ گری کی دھاک تمام عالم اسلامی میں باندھ دی اور آگے چل کر عربوں کی بجائے اسلام کے سب سے بڑے حامی اور مددگار بن گئے۔

ترکوں کی آبادی وسط ایشیا میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ لوگ اس کے زمانے میں سیدھے سادے دیانت دار کسانوں کی زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ لیکن جنگ کے وقت جوق در جوق فوجوں میں داخل ہو کر داد شجاعت دیا کرتے تھے۔

ماوراالنہر کے ترک خصوصاً اپنی بہادری کے لیے مشہور تھے چنانچہ الامطخری ان کے متعلق لکھتا ہے کہ "اسلامی قوموں میں ان ترکوں کی طرح

کفار سے لڑنے والی کوئی اور قوم نہیں ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ماوراءالنہر کے چاروں طرف کفار کی بھی آبادی ہے۔ یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ان ترکوں سے بڑھ کر کوئی جری قوم نہیں ہے۔ وہ کافروں کے خلاف اسلام کے پشت پناہ ہیں بہادری کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں کی اطاعت اور برابر والوں کی خدمت کرنے میں بھی یہ لوگ سب سے بڑھ کر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خلفا کو یہ ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ اپنی فوجوں کے واسطے انہی میں سے سپاہی لیں اور اس طرح پر ماوراءالنہر کے کسان ان کی فوجوں کے قائد ان کے خدام اور ان کے پسندیدہ مصاحب بن گئے۔

اس زمانے کے نظام کے مطابق سپاہیوں کی تقسیم ہمیشہ دسیوں میں ہوا کرتی تھی سب سے چھوٹی فوجی جماعت دس سپاہیوں پر مشتمل ہوتی تھی اس کے بعد سو، ہزار، پانچ ہزار وغیرہ کی جماعتیں تھیں۔ الغرض فوج کا ہر ایک حصہ دس یا دس سے زیادہ کا ہوتا تھا اور اس تعداد کے لحاظ سے فوجی افسروں کے عہدے معین ہوا کرتے تھے۔ یہی نظام ہندوستان میں مغل بادشاہوں کے زمانے میں بھی تھا۔ چنانچہ امراء کے منصب پنج ہزاری، ہفت ہزاری اسی مناسبت سے ہوا کرتے تھے۔ عثمانی ترکوں میں یہ نظام فوج اب تک قائم ہے۔ ان کے افسروں کے خطاب اون باشی۔ یوز باشی۔ پہلے کی طرح اب بھی قائم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تقسیم میں ہزار کے عدد کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اور مختلف علاقوں سے لڑائی کے موقعوں پر ایک ایک ہزار کی تعداد میں آدمی لیے جاتے تھے۔ اور ہزار سپاہیوں کا دستہ ہزارہ کہلاتا تھا۔

چنانچہ اس سلسلہ میں امیر خسرو کا یہ شعر قابل ملاحظہ ہے ؎

گوز دشمن شود ہزار سوار
چشم تو میر آں ہزار بود

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو ایک ہزار سپاہیوں کا دستہ یا ہزارہ جس علاقہ میں سے لیا جاتا تھا اسی علاقے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یا بعض صورتوں میں اپنے قبیلہ کے سردار یا مورث اعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا تھا اور عرصہ گذر جانے کے بعد جب وہ فوجی نظام درہم برہم ہو چکا تھا اور یہ ضروری نہ رہا تھا کہ کوئی خاص قبیلہ کسی امیر کے ماتحت ہو۔ تب بھی قبیلہ کا قدیم نام ہزارہ ہی باقی رہا۔ یہی نہیں بلکہ جہاں کہیں کوئی ہزارہ جا کر آباد ہو گیا وہ علاقہ بھی ہزارہ کہلانے لگا۔ چنانچہ ہندوستان کے شمالی مغربی حصہ میں جو علاقہ ہزارہ کے نام سے موسوم ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی غالباً یہی ہے۔ محض خیال ہی نہیں بلکہ غالباً اس زمانے میں جبکہ چنگیز خان نے بہادر مگر بدنصیب جلال الدین خوارزمی کے تعاقب میں ہندوستان کا رُخ کیا تھا۔ کچھ ہزارہ قبیلے یہاں آن کر آباد ہو گئے تھے۔ انہی چنگیزی ہزارہ ترکوں میں سے حضرت امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین محمود بھی تھے اور امیر خسرو کے سوانح نگار اس پر متفق ہیں کہ یہ وہی لوگ تھے جن کے قبیلے کا نام ہزارہ لاچین تھا اور اس کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ خود امیر خسرو نے اپنے آپ کو خسرو لاچین کے نام سے یاد کیا ہے۔

لاچین ایک ترکی لفظ ہے جس کے معنی باز یا شاہین کے بھی ہیں۔

اور غلام کے بھی خسرو کے اپنے ایک بیت کی بنا پر دوسرا مفہوم زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا ہے ؎

خود کہ در عہدِ تو سُلطانِ سخن
خسروے لاچین سُلطانی شد است

گویا لفظ لاچین اور سلطان سے صفت تضاد پیدا کی ہیں۔ بہرحال اس لفظ کا مفہوم اتنا اہم نہیں ہے کہ جتنا یہ معلوم کرنا کہ دراصل لاچین کس کا نام تھا بہرحال علاقہ یا مقام کا نام تو یہ ہو نہیں سکتا، ظاہر ہے کہ کسی آدمی ہی کا نام ہوگا۔ زیادہ تر تذکرہ نویس اس بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ ایک آدھ نے لکھا ہے کہ لاچین امیر خسرو کے والد کا نام تھا۔ یہ روایت اس وجہ سے قابلِ قبول نہیں معلوم ہوتی کہ امیر خسرو نے اپنے والد کا نام ہمیشہ سیف الدین یا محض سیفی لکھا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ امیر سیف الدین اپنے قبیلہ کے سردار تھے، لیکن اس کی بھی کوئی سند نہیں ہے کہ قبیلہ کا نام ہزارہ لاچین انہی کے نام پر تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ لاچین ان کے کسی خاندانی بزرگ کا نام ہو اور وہ اپنے کسی قبیلہ کے سردار رہے ہوں۔ اب یہ بات باقی رہ جاتی ہے کہ اس قبیلے ہزارہ لاچین کا ابتدائی مقام کہاں تھا اور کس زمانے میں یہ قبیلہ ہندوستان میں آن کر آباد ہوا۔

دولت شاہ سمرقندی کا بیان ہے کہ ایک روایت کے مطابق ان کا اصلی وطن شہر کش تھا جو اب قبت الخضرا کے نام سے مشہور ہے

لیکن بعض اور روائتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہزارہ لاچین سے تھے جو قریش یا مایرغ کے نواح میں آباد تھا۔ اور ہنگامہ چنگیز کے زمانے میں یہ لوگ ماوراالنہر سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان میں آن کر آباد ہو گئے تھے برخلاف اس کے اکثر سوانح نگار جس میں سے بعض کا بیان عام طور پر دولت شاہ کے بیان سے زیادہ معتبر سمجھا جا سکتا ہے مثلاً جامی، مرزا حسین، بایقرا یہ کہتے ہیں کہ چنگیز خان کے زمانے میں یہ لوگ بلخ اور اس کے نواح میں آباد تھے اور وہاں سے ہندوستان آئے تھے۔ ان روائتوں میں دولت شاہ کا بیان زیادہ قرین قیاس ہے اور وہ اس وجہ سے کہ امیر نے اپنے کلام میں اکثر مقامات پر ان باشندوں کا جس کو وہ بالائی کہتے ہیں نیز بلخ اور بخارا کے شہروں کا اور باشندوں کا حقارت اور ہتک آمیز طریقے پر ذکر کیا ہے، قطع نظر اس کے مقام کش مایرغ اور قریشی جن کا ذکر دولت شاہ نے کیا ہے۔ ماوراالنہر کے صوبے میں ہیں اور اس علاقہ کے ترک خاص طور پر جنگجو مشہور تھے اور یہ وہی صفات ہیں جو ہزارہ لاچین کے باشندوں میں پائے جاتے ہیں اور جن کا ثبوت امیر خسرو کے والد سیف الدین محمود نے ہندوستان میں اپنے جوہر شجاعت دکھلا کر دیا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہزارہ لاچین کا اصلی وطن کش مایرغ اور قریشی دونوں مقامات کو مان لیا جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان آنے سے قبل بعدہٗ کسی وقت میں یہ قبیلہ بلخ کے گرد و نواح میں آن کر آباد ہو گیا ہو۔

کش، ماوراء النہر کا قدیم مشہور شہر ہے اس لیے کہ عرب جغرافیہ نویسوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ یہ شہر ایک چھوٹی سی ندی کشکارود کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ ندی اور اس کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی ندیاں مثلاً ہزار مسود، چاہی رود اور خضر رود بھی اس کے قریب ہی بہتی ہیں۔ ابن ہرقل کے زمانے میں یہاں ایک قلعہ اور مضبوط چار دیواری بھی تھی۔ کئی ندیوں کی قربت کی وجہ سے کش کے گرد و نواح کا علاقہ کافی زرخیز تھا۔

امیر تیمور کے زمانے میں اس شہر کو زیادہ شہرت حاصل تھی اس لیے کہ امیر تیمور یہیں پیدا ہوا تھا۔ اس وجہ سے اس نے اس شہر کو از سر نو تعمیر کرا کر وہاں ایک شاندار محل بنوایا تھا۔ جس کا نام اس نے آق سدای (مفید محل) رکھا تھا مگر عام طور پر شہر سبز مشہور تھا اور دولت شاہ نے نام تبدیل کر کے قبت الخضرا دکھ دیا تھا۔ بائیرغ بھی کش کے نواح میں ایک مقام کا نام تھا۔ لیکن قرشی جسے عرب اکثر نمف کہتے ہیں نسّو میل جانب جنوب واقع ہے۔ چنگیز خان کے بعد ایک مغل شاہزادے نے یہاں ایک محل تعمیر کرایا تھا اور اسی مناسبت سے اس شہر کا نام قرلیش مشہور ہو گیا تھا۔

ہزارہ لاچین کے ہندوستان میں آنے کا زمانہ صحیح طور پر تو مشکل ہے۔ لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ یہ قبیلہ چنگیز خان کے زمانے یعنی تیرھویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تھا۔ ہندوستان میں اس وقت ملک قطب الدین ایبک کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اس کا ایک غلام شمس الدین التمش دہلی کے تخت پر متمکن تھا۔ اس قابل بادشاہ نے تخت و تاج حکومت سنبھالتے

Marfat.com

ہی اپنا اقتدار اور اثر تمام شمالی ہندوستان میں قائم کر لیا تھا اور اپنے حریفوں کو جن میں سب سے زیادہ زبردست تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ حاکم ملتان تھے جن کو زیر کرنے کے بعد بنگال کے خلجیوں کو بھی وہاں کی حکومت سے نکال دیا تھا۔ ان لڑائیوں اور ہنگاموں کے واسطے ایسے بہادروں کی ضرورت تھی۔ اس لیے امیر سیف الدین محمود نے بھی مع اپنے ساتھیوں کے اس بادشاہ کی حکومت اختیار کر لی۔ اور دہلی سے قریب تقریباً سو میل مقام پٹیالی ضلع ایٹہ جسے مومن پور یا مومن بھی کہتے ہیں اور جو دریائے گنگا کے کنارے پر آباد ہے مقیم ہو گئے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ پٹیالی امیر سیف الدین کو کسی معرکہ کے سر کرنے کے صلہ میں ملا ہو۔ لیکن اس بارے میں مورخ یا سوانح نگار نے کچھ نہیں لکھا البتہ برنی نے صرف اسی قدر لکھا ہے کہ ان کو بارہ سو تنکے (سکہ) سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ خسرو کے اپنے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر سیف الدین التمش کے عہد میں کوئی بڑی حیثیت رکھتے تھے اور بادشاہ کو انھوں نے ہندوستان کی تسخیر اور حکومت کے استحکام میں مدد بھی دی تھی۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ؎

جہاں بقوتِ او میگرفت التمش
کہ برکشیدہ خدایش ز قبضۂ قدرت

خسرو نے اپنے والد کو اکثر سیف شمسی یا سلطانی شمسی کے نام سے موسوم کیا ہے جس سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ التمش کے خاص امراء

Marfat.com

ہیں سے تھے۔ بہرحال امیر کی پٹیالی کی پیدائش کے بارے میں سب کو
اتفاق ہے۔ تاریخ فرشتہ اور دولت شاہ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے
کہ امیر خسرو کے والد بلخ کے امراء میں سے تھے اور چنگیز خانی فتنہ کے
بعد ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے تھے اور سلطان محمد تغلق کے دربار
میں ایک ممتاز عہدہ پر مامور تھے۔ سیف الدین بڑے جری اور فنِ سپہ گری
سے بخوبی واقف تھے۔ بالآخر ایک مہم میں جبکہ وہ کفار سے لڑ رہے تھے
شہید ہو گئے۔

سیف الدین کے تین بیٹے تھے۔ اعزاز الدین علی شاہ۔ حسام الدین
اور امیر خسرو۔ آپ کی عمر والد کے انتقال کے وقت سات آٹھ سال کی تھی
آپ کی والدہ عماد الملک کی بیٹی تھیں جو امراء شاہی میں سے مشہور معروف
شخص تھے۔ اور دس ہزار فوج کے افسر بھی تھے۔

ایک روائت کے مطابق امیر کی والدہ نے ان کا نام ابو الحسن رکھا
تھا۔ سال پیدائش میں اختلافات ہیں۔ بعض مورخوں نے ۶۵۱ھ مطابق
۱۲۵۳ء تحریر کیا ہے۔ قران السعدین میں جو کہ ۶۸۶ھ کی تصنیف
ہے۔ خود امیر نے اپنی عمر چھتیس ۳۶ سال تحریر کی ہے۔ جس کے حساب سے سال
پیدائش ۶۵۰ھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ امیر لکھتے ہیں ؎

آنچہ بہ تاریخ ز ہجرت گذشت بود سن و شش صد ہشتاد و ہشت
حال من امروز اگر بر رسی راستت بگویم ہمہ شش بود و سی

جب امیر پیدا ہوئے تو والد ان کو خرقہ میں لپیٹ کر ایک مجذوب

Marfat.com

کے پاس لے گئے تھے۔ مجذوب نے دور ہی سے دیکھ کر یہ کہا تھا کہ "یہ وہ بچہ ہے جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے جائے گا۔" افسوس ہے کہ مجذوب کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ جب آپ بڑے ہوئے تو والد نے کم عمری ہی میں سپہ گری کی ابائی تعلیم دینا شروع کر دی اور مکتب میں داخل کرا دیا۔

خوش نویسی مولانا اسد الدین نے جو اس زمانے کے مشہور عالم اور خوش نویس تھے سکھلائی تھی۔ چونکہ امیر بے حد ذہین اور جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ شاعری کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو گیا تھا اس وجہ سے وصلیون پر اسی کی مشق کیا کرتے تھے۔

خواجہ اصیل جو اس زمانے کے کوتوال تھے، بڑے علم دوست، فیاض اور غربا پروری میں مشہور تھے۔ امیر خسرو اپنی ذہانت کے باعث ان کے نائب ہو گئے جس کی ابتدا اس صورت سے ہوئی کہ ایک روز خواجہ اصیل نے جب اسد الدین کو بلایا تو امیر خسرو بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ کوتوال کے مکان پر اتفاق سے خواجہ عز الدین بھی تشریف رکھتے تھے۔ اسد الدین نے خواجہ عز الدین سے کہا کہ یہ لڑکا ابھی غون غان کرتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کے اشعار میں بھی کچھ موزونیت ہے یا نہیں۔ آپ بھی اس کے کلام کو سنئے۔

اتفاق سے خواجہ عز الدین کے ہاتھ میں اس وقت اپنے اشعار کی بیاض تھی۔ امیر خسرو کو دیکھ کر کہا کہ صاحبزادے اس میں سے کوئی شعر تو پڑھو۔ یہ ان کی کم عمری کا زمانہ تھا۔ امیر نے اس بیاض میں سے اشعار

Marfat.com

نہایت خوش الحانی سے پڑھے۔ چونکہ آواز میں قدرتی اثر اور درد تھا حاضر
پر اس کا کافی اثر ہوا۔ آنکھیں بھر آئیں اور بے حد تعریف کی۔ ان کے اُستا
اسد الدین نے کہا کہ اب شعر گوئی میں اس کا امتحان لیجئے۔ خواجہ عزالدین نے
چار بے جوڑ چیزوں کے نام لے کر کہا کہ ان کو ملا کر شعر کہو یعنی مُو۔ بیضہ۔ تیر۔
خربوزہ۔ امیر نے برجستہ یہ اشعار پڑھے ؎

ہر مُوئے کہ در دو زلفِ آن صنم است
صد بیضۂ عنبریں بر آں موئے صنم است
چوں تیر بداں راست دلش را زیرا
چوں خربوزہ و ندالش میاں شکم است

خواجہ عزالدین کو اس ذہانت پر سخت حیرت ہوئی۔ پوچھا۔ نام کیا ہے؟ امیر
نے جواب دیا کہ خسرو۔ باپ کا نام پوچھا تو امیر نے ازراہ ظرافت (بجائے
سیف الدین کے) لاچین بتلایا اور کہا کہ ترک گفتن خطا است۔ یعنی ان کو ترک
کہنا غلطی ہے۔ خواجہ عزالدین نے خطا کے لفظ کو پھر الٹ کر کہا کہ "بے خطا
ترک است۔" یعنی یقیناً وہ ترک ہی تھے۔ خواجہ عزالدین بہت خوش ہوئے
اور کہا کہ چونکہ تم کو دربارِ سلطانی سے بھی تعلق ہے اس لیے تمہارا تخلص سلطانی
ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اکثر غزلوں میں امیر نے یہی تخلص کیا ہے۔

خسرو کے اپنے بیان سے ظاہر ہے کہ ان کا میلانِ طبع بچپن ہی سے
شاعری کی طرف تھا۔ ایک جگہ تحفۃ الصغر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ میرے
والد مجھے مکتب بھیجا کرتے تھے۔ لیکن میں ردیف اور قافیہ کے چکر میں رہتا تھا

Marfat.com

برے اُستاد سعد الدین محمد خطاط جو عام طور پر قاضی کے لقب سے مشہور تھے مجھے
وش نویسی سکھانے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اُستاد کی پوری کوشش کے
وجود جو طرۂ یار کی طرح دراز اور مسلسل تھی مَیں زلف اور خط و خال کی مشق کیا
رتا تھا۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ جس کا دماغ گرد و پیش کی چیزوں سے
بے نیاز ہو کر اس حسن ازلی کو نامعلوم فضاؤں میں تلاش کرتا رہتا ہو۔ جس کا عکس
دنیا کی ہر خوبصورت چیز میں موجود ہے اسے پنج گنج یا ہدایہ کے درسوں
یں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ الغرض خسرو نے جو کچھ بھی علمی استعداد حاصل
ی۔ اس کے قابلِ قدر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ لیکن نہ تو وہ خشک کتابوں
کے مضامین کی دیدہ ریزی اور دماغ سوزی سے حاصل ہوئی نہ اُستادوں کی
مدد سے بلکہ زیادہ تر ان کی اپنی ذہانت، اربابِ علم کی صحبت اور موزونیٔ
طبع ہی کا نتیجہ تھا اور وہ اس درجہ کی تھی کہ جس نے انھیں اپنے زمانے کے
علوم و فنون میں جن کا جاننا ضروری تھا ماہر اور بے مثل بنا دیا تھا۔

مشہور بھی یہی ہے۔ اور اکثر تذکرہ نویسوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ
شاعری میں امیر کا کوئی استاد نہ تھا۔ بلکہ انھوں نے شعرائے متقدمین کے
کلام ہی سے فنِ شاعری میں کمال حاصل کیا تھا۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں ایسا
ہوا ہو۔ کیونکہ ان کی جدت پسند اور سیماب صفت طبیعت لڑکپن میں استادوں
کی اصولی پابندیوں کو گوارا نہ کرتی ہو۔ لیکن چونکہ یہ اصولاً غلط تھا۔ اس
لیے انھوں نے ضرور کسی ماہر فن استاد کے رُوبرو زانوئے ادب خم کیا ہوگا۔

بعض تذکروں میں اس زمانے کے شعراء میں مولانا شہاب الدین

کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اگر یہ وہی بزرگ ہیں جو شہاب الدین صدر نشین کے نام سے موسوم تھے۔ جن کا ذکر برنی اور فرشتہ نے بھی کیا ہے۔ تو ان کا انتقال تقریباً امیر کی پیدائش سے انیس سال قبل ہو چکا تھا۔ اس لیے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ امیر کے ہمعصر شہاب الدین شہاب مہمرہ ساکن بدایوں تھے۔ (مہمرہ خوزستان کا شہر ہے۔ جہاں سے وہ ہجرت کر کے آئے تھے) اور امیر کو شاعری میں انہی کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ شہاب کی عربی دانی اور علمی قابلیت کا خسرو کو بھی اعتراف ہے اور "ہشت بہشت" میں اُن سے اصلاح لینے کا بھی ذکر کیا ہے۔ شہاب کا نمونہ کلام ملا مورخ بدایونی نے بھی دیا ہے۔ رہا معاملہ شاعری کی عظمت کا کہ شاگرد کا کلام استاد سے بلند ہے اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ بچپن ہی میں ذہانت کا یہ عالم تھا کہ والد کے انتقال پر آپ نے جو شعر کہا تھا وہ یہ ہے ؎

سیف از سرم برفت و دلم بس دو نیم ماند
دریائے من رواں شد و درم یتیم ماند

اس کم عمری میں والد کے انتقال کے بعد آپ کے نانا عماد الملک نے آپ کی پرورش کی تھی۔ جن کے بارے میں امیر خسرو لکھتے ہیں کہ وہ شاہی تخت کے چار ارکان میں سے ایک تھے۔ اور اگرچہ کوئی نشان بادشاہت نہ رکھتے تھے لیکن اپنے اثر اور رسوخ کی وجہ سے بادشاہوں کو تخت پر بٹھایا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی داد و دہش کی وجہ سے تمام ہندوستان کو مٹھی میں کر لیا تھا۔ عماد الملک سانولے رنگ کے تھے اور پان کا شوق زیادہ تھا۔

Marfat.com

ظاہر ہے کہ جب غیروں کے ساتھ وہ مسلوک ہوتے تھے تو انھوں نے امیر کے ساتھ کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ جوان ہونے سے پہلے امیر رائج الوقت علوم اور فنون سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔

امیر کا مذہب سنّت و الجماعت تھا۔ اعتقاد کے لحاظ سے حنفی طریق اور دل تو رانی تھا۔

امیر باوجود کافی عمر ہو جانے کے اپنی ماں سے ایسی محبت کرتے تھے کہ بچّوں کی طرح ماں سے چمٹ کر ملتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ ماں کا سینہ بہشت ہے۔ جس میں دو نہریں دُودھ کی بہتی ہیں اور باوجود اڑتالیس سال عمر ہونے کے ماں کو اس طرح یاد کرتے تھے۔ جیسے کوئی دودھ پیتا بچّہ ماں کے لیے بلکتا ہے۔

Marfat.com

باب ۲

شہرت عروج اور اعزازِ شاہی

امیر پندرہ بیس برس کی عمر میں جب فارغ التحصیل ہو چکے تھے وہ زمانہ سلطان شاہ بلبن کا تھا اور آخر عمر تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ امیر نے دیکھا تھا۔

امیر کے عروج اور شہرت کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں امیر کتلو خان بہت بڑے مرتبہ کا سردار تھا۔ اس کی فیاضی اور علم دوستی کا شہرہ دور دور تک ہو چکا تھا۔ اس کے دسترخوان پر ہمیشہ سینکڑوں آدمی کھانا کھاتے تھے۔ داد و دہش میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھا علاوہ خیرات وغیرہ کے سال میں کئی سو غریبوں کی لڑکیوں کو بہترین جہیز بھی تقسیم کیا کرتا تھا۔ امیر خسرو کی شہرت تو ہو ہی چکی تھی۔ کتلو خان کے دربار میں ان کی رسائی ہو گئی اور دو سال کی ملازمت میں امیر کی وہاں کافی قدر ہوئی۔ امیر نے بھی کتلو خان کی اوبیت پر حرف نہ آنے دیا۔ مؤرخوں کا خیال ہے۔ کہ معز الدین کیقباد نے اس سے بھی زیادہ امیر کی قدر افزائی کی تھی۔

ایک روز اتفاق سے بغرا خان سلطان غیاث الدین بلبن کا بیٹا

Marfat.com

بھی ہم صحبت تھا. اور شعر شاعری کے چرچے ہو رہے تھے. شمس الدین دبیر اور قاضی اثر جو اس زمانے کے مشہور و معروف شعراء میں سے تھے وہ بھی اس صحبت میں شریک تھے۔ امیر خسرو نے اپنی زمزمہ سنجی کا کچھ ایسا سماں پیدا کیا کہ بغرا خان نہایت متاثر ہوا اور صلہ کے طور پر لگن بھر کر روپے دیے۔ کتلو خان جن کے امیر ملازم تھے نہایت خود دار واقع ہوا تھا۔ اس کو یہ بات ناگوار گذری کہ امیر نے دوسروں کی دی ہوئی چیز کو کیوں قبول کر لیا اور اس کا وابستہ دوسرے دربار کا احسان مند ہوا۔ یہ ناخوشی اس کی برابر قائم رہی۔ امیر نے اس کی تلافی بھی مختلف ترکیبوں سے کرنی چاہی۔ لیکن اس کا دل صاف نہ ہوا۔

جب امیر مجبور ہو گئے تو کتلو خان کی ملازمت چھوڑ کر بغرا خاں کے پاس چلے گئے۔ جو اس وقت سامانے کا حاکم تھا۔ اس نے نہایت قدر و منزلت کے بعد اپنا ندیم خاص بنا لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بغرا خان کو ۶۷۸ھ میں بنگال کی مہم میں کامیابی ہوئی تھی۔ اور جس کے صلہ میں اس کو سلطان غیاث الدین نے بنگالے کا حاکم مقرر کیا تھا۔

امیر کی شاعری کا شہرہ ہو چکا تھا۔ شہزادہ ملک محمد خان نے امیر کو بلا کر اپنے شعرائے خاص میں شامل کر لیا اور جب وہ ملتان کا حاکم مقرر ہو کر گیا تو امیر خسرو اور حسن دہلوی کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ چنانچہ پانچ سال تک یہ اس کے دربار میں رہے۔

شہر ملتان کسی زمانے میں سندھ کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اور چنگیز خان

Marfat.com

کے بعد مغل برابر ہندوستان پر حملے کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ملتان میں ایک بڑا دستہ فوج کا سرحدی حفاظت کے واسطے رہا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ ایران اور ترکستان سے جو تجارتی مال آتا جاتا تھا اس کی بھی حفاظت ہوتی تھی اور سوداگر ملتان کی حکومت سے مدد حاصل کرتے تھے۔

شہزادہ محمد کی قدردانی کا شہرہ سن کر ادیب اور شاعر دُور دُور سے جمع ہو گئے تھے۔ ملتان کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جس طرح پر دہلی میں شاہ نظام الدین اولیاؒ کا چشمۂ فیض جاری تھا۔ اسی طرح ملتان میں بھی خواجہ صدر الدین جو خواجہ بہاء الدین ذکریا کے بیٹے تھے۔ روحانی ہدایت کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔

ان حالات سے ظاہر ہے کہ ملتان میں خسرو کے واسطے دلچسپی کی کوئی کمی نہ تھی۔ نیز ان کو اپنا کمال دکھلانے کے واسطے اس سے بہتر اور کیا موقع ہو سکتا تھا۔ لیکن خسرو جذباتی طبیعت رکھتے تھے۔ اور انھیں دلی کی یاد رہ رہ کر ستاتی تھی۔ شہزادے نے ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شیخ سعدی شیرازی نے بھی خسرو کے کلام سے متاثر ہو کر شہزادے کو لکھا تھا کہ خسرو کی سرپرستی میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ لیکن قدرت کو تو کچھ اور ہی منظور تھا۔

مغلوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے اکثر انتظام کی غرض سے سلطان محمد کے ساتھ دشوار گذار مقامات پر امیر کو جانا پڑتا تھا چنانچہ کسی ایسے سفر کے سلسلہ میں خسرو لکھتے ہیں "دہلی میرے واسطے بہشت بریں ہے جس کی عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ ہر وقت بازاروں میں چہل پہل رہتی ہے اور دریا کا

Marfat.com

بہتا ہُوا شفاف پانی جنگل کو شاداب اور سیراب کرتا ہے۔ وہاں کے باغوں میں پھل بہشت کے پھلوں کی مانند شیریں اور مفرح ہوتے ہیں۔ جہاں محبوب کی صحبت میسّر ہوتی ہے۔ اب مجھے اس خارستان میں لاکر مقیّد کر دیا گیا ہے، قلعہ کیا ہے ایک دہکتا ہُوا تنور ہے۔ جہاں ویرانہ ہے اور گو یہ انسانوں کی بستی ہے لیکن وہ انسان بھی ایسے ہیں جن سے دیو بھی پناہ مانگتے ہیں۔ سر ان کے معلوم ہوتا ہے بھرسے ہوئے بورے ہیں اور داڑھیوں کی یہ کیفیت ہے کہ جولاہوں کے برش معلوم ہوتی ہیں۔ ٹانگیں لم ڈھینک کی سی مگر خود عقاب اور تند خو ہیں۔ سر اس طرح پر نیچے کو جھکے ہوئے ہیں جیسے دیوانے چلتے ہیں۔ ان کی آوازیں کوّے کی بولی کی طرح کرخت اور ان کے منہ اس طرح کھلے ہوئے ہیں جیسے مینا ما زبانیں ایسی کند جیسے خانہ ساز تبر۔ الفاظ ایسے کرخت جیسے منجنیق سے پتھر نکل رہے ہوں۔ کسی دانا کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جب آسمان سے گویائی زمین پر اتری تو ان انسانوں کو سب سے کم اور سب سے آخری حصہ ملا تھا۔" باوجود اس بے زاری کے امیر نے جو وہاں پانچ سال کا زمانہ گذارا وہ بعض لحاظ سے اچھا بھی تھا۔ کیونکہ شاہزادہ محمد نے بہت سے ادیبوں کو دور دور سے بلا کر جمع کر لیا تھا۔ شیخ سعدی کو بھی شیراز سے بلانے کی دو مرتبہ دعوت دی اور خلعت فاخرہ بھی روانہ کیا۔ لیکن انھوں نے معذرت لکھ دی۔

ملتان کے دربار میں خسرو کے علاوہ سب سے زیادہ مشہور شاعر حسن سجزی دہلوی تھے۔ جو تقریباً امیر خسرو کے ہم عمر تھے، غزل گوئی میں خصوصاً کمال رکھتے تھے۔ اور اسی مناسبت سے انھیں سعدی ہند بھی کہا

Marfat.com

جاتا تھا۔ بعض کا تو یہ خیال ہے کہ وہ خسرو سے بھی بازی لے گئے تھے۔

حسن کو خسرو سے بہت عقیدت تھی اور اپنے کلام کے متعلق خسرو کی رائے کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس لحاظ سے اس دوستی کے تعلق کو تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔

حسن اور برنی کی ملتان کی موجودگی کا وہی زمانہ تھا جب ہلاکو خان کا پوتا ارغو خان ایران کے حکمران فارس کے امراء میں سے سمر خان عرف تمر خان مع بیس ہزار سواروں کے لاہور آیا اور دیپال پور کو فتح اور غارت کرتا ہوا لاہور ہو کر ملتان کی طرف بڑھا تھا۔

سلطان محمد خان نے ملتان سے نکل کر تمر خان کو شکست دی۔ لیکن چونکہ ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ ایک تالاب کے کنارے پانچسو آدمیوں کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گیا۔ باقی سلطان کی فوج تعاقب کرتی ہوئی تاتاریوں کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر تاتاریوں نے دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ اچانک عقب سے حملہ کر دیا۔ سلطان نے بلا اپنی فوج کی کافی تعداد فراہم کیے ہوئے نمازیوں کو ساتھ لے کر تاتاریوں کا نہایت دلیری سے مقابلہ کیا اتفاق سے ایک تیر سلطان کے آن کر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔ چونکہ امیر خسرو اور حسن دونوں اس معرکہ میں شریک تھے۔ اس لیے تاتاری ان دونوں کو گرفتار کر کے بلخ لے گئے۔ لیکن ڈاکٹر محمد وحید مرزا کا یہ خیال ہے کہ وہ دونوں دوسرے ہی روز راستہ سے واپس آ گئے تھے۔ ڈاکٹر سعید احمد مارہروی نے لکھا ہے کہ یہ دونوں دو سال کے بعد واپس آئے۔ آخر الذکر خیال اس وجہ

سے قابلِ یقین نہیں معلوم ہوتا کیونکہ یہ واقعہ ۶۸۴ھ کا ہے اور امیر نے جو شہرۂ آفاق مرثیہ شہزادے کی شہادت کے بارے میں لکھا ہے وہ امیر کے چشم دید واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ جو ہر ایک گھر میں پڑھے جاتے تھے۔ اس مرثیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

"یہ کوئی معمولی مصیبت نہ تھی جو میں نے دیکھی تھی۔ وہ بھی کیا منحوس ساعت تھی۔ جب شہزادہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ملتان سے روانہ ہوا تھا اور اس نے اپنی کافر کش تلوار کو نیام سے باہر نکالا تھا۔ جب ایسے شدید دشمن کی آمد کی خبر ملی تو اس نے اپنی قوت کی مطلق پروا نہ کی اور غصہ میں آکر فوراً علم اٹھالیا اور جو لشکر اس وقت موجود تھا اسی کو لے کر ایک ہی سفر میں ملتان سے لاہور پہنچ گیا۔ اس کو یہ غصہ تھا کہ ہمارے عہد میں کفار کی بھی یہ ہمت کہ وہ سرکشی اختیار کریں۔ وہ طیش میں کہا کرتا تھا کہ میرے پاس وہ تلوار اب بھی موجود ہے۔ کہ جب کفار ہلاک ہوتے تھے تو آگ ان کو اپنی طرف گھسیٹا کرتی تھی۔ میں نے زمین پر اتنا خون بہایا ہے کہ گدھ اس میں تیرتے ہیں۔ جیسے کہ پانی میں مرغابی۔ اور اس سال ان کے خون سے خاک ایسی سرخ ہو رہی ہے کہ شفق کو اپنا لال رنگ زمین سے حاصل کرنا چاہیئے"۔

اس کے بعد امیر خسرو اپنی مثنوی میں لکھتے ہیں کہ "شہزادہ اس فکر میں تھا کہ کفار کے سر قلم کرے اور تقدیر فلک نے تدبیر کے صفحہ پر مشیت ایزدی کا خط کھینچ دیا تھا یعنی محرم کی پہلی رات تھی اور شہزادہ اپنے لشکر کے ساتھ عاشورہ آنے سے پہلے حسین علیہ السلام کی طرح لڑائی کے میدان

میں تھا۔ اس کے گھوڑے کی ٹاپوں کی گرد نے سورج کی آنکھ میں سرمہ لگایا۔
افسوس وہ بھی کیا وقت تھا کہ کافر نے اس پر اپنی فوج سے حملہ کیا تھا۔ وہ لوگ
جوق در جوق دریا سے گذر کر آئے اور شہزادہ جبکہ فوج کے ساتھ نماز میں
مشغول تھا ناگاہ اس پر دھاوا بول دیا۔ شہزادہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے
بڑھا شاہزادے کو بڑھتے دیکھ کر اس کے سواروں کے سیلاب نے دنیا میں زلزلہ
رونما کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ تو نے یہ بھی دیکھا کہ گھوڑوں کی ٹاپوں، ہنہنانے کی آوازوں
ڈھول اور طبل جنگ کی گونج اور سواروں کے نعروں نے صحرا اور دشت میں کس طرح
زلزلہ پیدا کر دیا تھا اور زبردست دشمنوں پر ہر متنفس حملہ کے واسطے بے چین تھا۔
بزدل اس فکر میں تھے کہ بھاگنے کا کوئی موقع ہاتھ آجائے۔ بہادر اور جان فروش
شہزادے کا یہ کام تھا کہ ایک طرف تو خود شمشیر آبدار کے جوہر دکھلا رہا تھا۔ اور
دوسری طرف سر بکف جوانمردوں کو اللہ اکبر کی تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے
فوج کو آگے بڑھا رہا تھا۔ یہاں تک کہ دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں تو دن تاریک
ہو گیا۔ انسان انسان سے اور خنجر خنجر سے الجھا آفتاب زرد پڑ گیا۔ دن ختم
ہونے کو تھا کہ انھوں نے تلواروں کے زنگاری رنگ سے خورشید لشکر کے
سر پہ ایک نیا سماں کھڑا کر دیا۔ یعنی تلواروں کی صفیں دونوں طرف سے
بڑھتی ہوئی کنگھی کی طرح معلوم ہوتی تھیں گویا تلواروں سے ایک دوسرے کے
بال کھینچ کر بال سے بال گوندھ رہے ہیں اور وہ کافر جو ایک دوسرے سے چوٹی
کی طرح پیوستہ تھے۔ تلواروں سے سر کے بالوں کی طرح صاف ہو رہے تھے۔
ایک سبز میدان میں لاشیں گویا دیبا کی تصویریں معلوم ہوتی تھیں

Marfat.com

شہزادے کی شمشیر قتال ایک لمحہ کے لیے بھی زوال کے وقت سے رات تک فارغ نہ ہوئی۔ یارب! وہ خون تھا جو صحرا میں بہہ رہا تھا یا کوئی دریا کی موج تھی۔ کیونکہ زخمی جب تڑپ تڑپ کر جان دیتے تھے تو خون ان کے گلوں سے اُبلتا تھا۔ خان لشکر کش صفوں کو ترتیب دینے میں مصروف تھا اور اپنے اقبال کو ہر طرف دوڑا رہا تھا۔ فلک کج رفتار۔ فتح کو بھر بالوں سے پکڑ کر واپس کھینچے جاتا تھا۔ حالانکہ فتح ان ملعونوں کی طرف سے ہماری طرف آنا چاہتی تھی۔ کیونکہ کافر رات کی تاریکی میں بھاگ نکلنا چاہتے تھے۔ کہ یکایک ہماری ترازو کا پلہ پلٹ گیا۔ آہ! وہ بھی کیا قیامت خیز رات تھی کہ آفتاب آسمان سے گر پڑا تھا اور دیو جہاں میں آگ لگاتے ہوئے پھر رہے تھے۔ کیونکہ آفتاب ملک کے دن ختم ہو چکے تھے۔ اگر حسینؑ کربلا کو بے آبی کا راستہ طے کرنا پڑا تھا تو یہ شاہزادہ محمد تھا جو اسلامی جوش میں آپ ہی آگ میں کود پڑا تھا اور لوگوں کے دلوں میں مچھلی کے جال کی طرح روزن ہو گئے تھے۔ کیونکہ شاہی انگوٹھی پانی میں گر چکی تھی۔

خسرو لکھتے ہیں کہ کافر خون میں یوں پڑے ہوئے تھے۔ جیسے گوبر میں گدھا اور مومن کیچڑ میں۔ جیسے میلے پانی میں موتی آب دار۔

فوج ایک طرف دریا میں سے گذر رہی تھی اور دوسری کسی سراب کے راستے میں پڑ کر بھٹک رہی تھی اور سب تختۂ خاک کے نیچے چلے جا رہے تھے کشتوں کے سر جو خاک اور خون میں غلطاں تھے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے ناریل پر شنگرف کے نقش و نگار بنائے گئے ہوں۔ بہت سے زندہ ایسے بھی تھے

جو ہیبت کی وجہ سے مُردوں کے درمیان میں بدن پر خون مل کر اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ غرض کہ یہ معمولی مصیبت نہ تھی جو میری آنکھوں نے دیکھی میں گویا قیامت کو دیکھ رہا تھا۔ دائرۂ آسمان نے گویا پرکار کی سی گردش کی تھی۔ تو نے دیکھا کہ ذرّہ نے چشمہ خورشید کی آب چرا لی۔ اور پتھر کو دیکھا کہ اس نے لولو بے شہوار کا کام تمام کر دیا۔ جسے ہر سال مغلوں سے دین کی خاطر برسرِ پیکار رہنا پڑتا تھا اور یہ بھی دیکھ لیا کہ بالآخر اس نے سر ہی کو دین کی نذر کر دیا۔"

جمعہ کا دن اور ذی الحجہ کا آخر روز تھا جب یہ واقع ہوا سن ۶۸۳ھ کا آخری اور ۶۸۴ھ کا پہلا دن تھا۔ خسرو کے نہ معلوم کتنے دوست ہوں گے جو اس ہنگامے میں ان سے ہمیشہ کے واسطے جدا ہو گئے کیسی کیسی صورتیں ہوں گی جن کو مغلوں کے بے پناہ تیروں اور بے محابا تلواروں نے ہمیشہ کے واسطے خاک میں پنہاں کر دیا۔ ان دوستوں کا غم خسرو کو اپنی جان کی سلامتی کی خوشی سے کہیں زیادہ ہوا۔ اور جگہ جگہ اپنے اس رنج و غم کا بہت دردناک الفاظ میں ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مشہور قصیدے حکم المحکم میں لکھتے ہیں کہ صیاد کے پھندے سے مجھے اپنی رہائی کی کیا خوشی ہے جب دوستوں اور غم خواروں کا سلسلہ ہی ٹوٹ کر پرزے پرزے ہو گیا۔ چمن کی زمین پر رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں لیکن میرا دل گلاب کی کلی کی طرح خون ہے۔ پرانے دوستوں میں سے کوئی نہ رہا۔ کاش یہ سال میرا بھی آخری سال ہوتا۔ اب ابرِ بہار پانی کو چھوڑ اور میری طرح خون کے

Marfat.com

آنسو بر سا۔ اب جبکہ سن ۶۸۴ ھ ہے اور میری عمر کے سال بجائے تئیس اور چار کے تئیس ہزار بھی ہو جائیں تو اس میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ انجام فنا ہے اور میں شاعر کی بجائے اگر حیدر گر بھی ہو جاؤں تب بھی میں جانتا ہوں کہ خاک ہی میری منتظر ہے۔ اگر میں خسرو نہیں کے خسرو بھی ہو جاؤں تب بھی میری آخری منزل خاک ہی ہوگی۔"

یہ تھا خلاصہ امیر خسرو کے مشہور مرثیے کا جو اس زمانے میں ہر گھر میں پڑھا جاتا تھا۔ برنی کہتے ہیں کہ شہزادے کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد ہی خسرو اپنے دوستوں سے کہا کرتے تھے کہ میری قسمت اچھی ہوتی تو آج شہزادہ ملک تخت و تاج کا مالک ہوتا۔

جب اس حادثہ جانکاہ کی خبر دہلی پہنچی تو ایک کہرام مچ گیا اور گھروں میں صف ماتم بچھ گئی۔ لوگ امیر خسرو اور سید حسن کے مرثیے پڑھتے تھے۔ اور زار و قطار روتے تھے۔ سلطان بلبن کی عمر اس وقت اسی ۸۰ سے زائد ہو چکی تھی۔ اس بڑھاپے میں ایسے منظورِ نظر اور قابل بیٹے کا صدمہ اس کے واسطے یقیناً ناقابلِ برداشت تھا وہ بہت ضبط اور حوصلہ کا شخص تھا۔ اس لیے اس نے بظاہر اپنے عادات و اطوار میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ دربار کا دبدبہ اور شکوہ وہی رہا جو پہلے تھا۔ لیکن اصل میں دل ٹوٹ چکا تھا۔ خلوت میں لوگوں کی نظروں سے بچ کر اپنے دل کی بھڑاس آنسو بہا کر نکال لیا کرتا تھا آخر کار اسی صدمہ نے اس کو بیمار ڈالا اور جب بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تو اپنے جواں مرگ بیٹے کے خورد سال بچے کیخسرو کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

Marfat.com

حالانکہ اس کا چھوٹا بیٹا بغراخان حاکم لکھنوتی مستحق تھا۔ لیکن بلبن اس سے خوش نہ تھا اور باوجودیکہ بطور ظاہر داری بغراخاں نے کچھ عرصہ دہلی میں بھی قیام کیا تھا۔ تاہم اِس کو محروم کر دیا تھا۔

الغرض ۶۸۶ھ میں بلبن نے اس صدمہ سے نجات پائی اور انتقال کر گیا۔ درباریوں نے بادشاہ کی وصیت کے خلاف کیقباد کو جو بغراخاں کا بیٹا تھا۔ تخت نشین کر دیا۔ اس تخت نشینی کے سلسلہ میں بغراخاں اور شاہ بلبن میں یہاں تک ناچاقی بڑھی تھی کہ دونوں نے فوج کشی کر دی تھی۔ لیکن جب فوجیں مقابلہ پر آئیں تو بعض عقل مند اور معاملہ فہم امراء کی کوشش سے یہ خطرناک صورت پیدا نہ ہونے پائی۔ اس کوشش میں جو امراء شریک تھے ان میں امیر علی جہانداد خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ یہ غالباً وہ امیر علی ہے جو بادشاہ کے باڈی گارڈ کا سردار تھا اور جس کا ذکر نظام الدین کی طبقاتِ اکبری میں صفحات 119 پر کیا گیا ہے۔ امیر کیقباد بھی لشکر کے ساتھ تھا اور اس تعلق کی بناء پر جو اسے خسرو کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ خسرو کو بھی اس سفر میں اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ اور اس طرح امیر نے یہ سب واقعات بہ چشم خود دیکھے تھے۔ جن کو انھوں نے کتاب قران السعدین میں لکھا ہے:

"بہرحال صلح ہو گئی۔ کشیدہ تعلقات استوار ہو گئے"۔ جب کیقباد بغراخاں کا بیٹا تخت نشین ہوا تو وہ عیش پرست ثابت ہوا اور اپنے فرائض منصبی کی بجا آوری کے مقابلہ میں خواہشات نفسانی کو پورا کرنے میں زیادہ وقت صرف کرتا تھا۔ اس کے اخلاق اور عادات کے بگاڑنے میں سب سے زیادہ حصہ اس

Marfat.com

کے وزیر نظام الدین کا تھا۔ تاہم وہ طبیعت کا بُرا نہ تھا۔

یہ حالت تو پائے تخت دہلی کی تھی۔ لیکن خان جہاں جب اودھ کا سردار مقرر ہُوا تو وہ امیر خسرو کو اپنے ساتھ لے گیا اور دو برس تک امیر اودھ میں رہے۔ والدہ سے امیر کو بے حد الفت تھی اس لیے جدائی کی تاب نہ لاسکے اور مفارقت گوارا نہ ہونے کے باعث تمام تعلقات کو خیرباد کہہ کر دہلی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ ہر چند خان نے اظہار افسوس کیا اور روکنا چاہا لیکن وہ نہ مانے۔ یہ زمانہ ۶۸۸ھ کا تھا۔ امیر کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔ جب دہلی پہنچے تو بادشاہ کیقباد کی فرمائش پر امیر نے باپ بیٹوں کی لڑائی اور صلح کے واقعات مثنوی کی شکل میں لکھے۔ اور خوب لکھے۔ جس کا صلہ بھی ان کو حسب دلخواہ ملا۔

کیقباد تین سال کی حکومت کے بعد ۶۸۹ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا خورد سال بیٹا کیکاؤس تخت نشین ہُوا۔ چونکہ وہ بہت کم عمر تھا۔ تین ہی ماہ کے بعد امرائے دربار نے تخت سے اتار دیا اور فیروز شالستہ خان خلجی جس کی عمر اس وقت سترہ سال کی تھی۔ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہُوا جو بعد میں سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے نام سے پکارا گیا۔

ایسے گوناگوں صاحب مذاق اور علم دوست بادشاہ کے لیے جو دربار کی زیب و زینت کا باعث ہو۔ امیر خسرو سے زیادہ اور کون شخص موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ معقول مشاہرہ پر ان کو مقرر کر کے خاص اپنا لباس عطا فرمایا۔ اور مقرب اور ندیم خاص بنا لیا۔ اس کے علاوہ منصب داری اور امانت کے بھی

عہدے دیئے۔ یہ عہدہ اس زمانے میں اُس شخص کو دیا جاتا تھا جس کو شاہی قرآن مجید رکھنے کی خدمت سپرد ہوتی تھی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جامہ اور کمر بند (کمر سے باندھنے کا زر دوزی پٹکا) جو امرائے کبار کا مخصوص لباس تھا، ان کے واسطے مخصوص تھا اور اسی وقت سے خسرو کے نام کے ساتھ امیر کا اضافہ ہو گیا۔ جو آج تک اسی لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

شاہی دربار میں لاتعداد بڑے بڑے علماء موجود تھے۔ لیکن امیر خسرو کے آفتاب کمال نے تمام ستاروں کو بے نور کر دیا تھا۔ اس وقت امیر کی تنخواہ ایک ہزار تنکا تھی۔ یوں ملک جلال الدین فیروز اپنے آقاؤں کا وارث بن کر ان کے تاج و تخت پر قابض ہو چکا تھا۔ لیکن اس خاندان اور خصوصاً اپنے آقا بلبن کی وہی قدر اور منزلت دل میں تھی۔ جو اس سے قبل تھی۔ بادشاہ میں خود نمائی نام کو نہ تھی۔ ایک مرتبہ وہ سُرخ محل جہاں بلبن رہتا تھا۔ پہنچا تو تعظیماً اپنے گھوڑے سے اُتر گیا اور امراء سے کہا کہ میں بلبن کے احسانات کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ اور جب پہلی مرتبہ تخت شاہی کے قریب پہنچا تو تعظیماً جھک گیا اس کے بعد دربار کیا۔

اس کے زمانے میں امیر کو کافی عروج حاصل تھا۔ شراب ارغوانی کے دور چلتے تھے۔ بڑے بڑے موسیقار اور گویئے امیر خسرو اور خواجہ حسن کی غزلیں سنایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں چھجو خاں نے بغاوت کی۔ لیکن بلا لڑے شکست قبول کر لی۔ اور بادشاہ نے اس کو معاف بھی کر دیا اور بعدہٗ ملتان کا حاکم بنا دیا۔ اس مہم میں بھی امیر خسرو شاہی لشکر کے

Marfat.com

ساتھ تھے۔ ان تمام واقعات کو امیر نے مثنوی مفتاح الفتوح میں درج کیا ہے۔

اِس بادشاہ کی حکومت جو عافیت اور اطمینان کی تھی زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی۔ کیونکہ بادشاہ کا پیمانۂ حیات لبریز ہو چکا تھا اور بجائے اس کے کہ وہ خود ہی چھلک جاتا اس کے اپنے ایک عزیز قریب کے بیدرد ہاتھوں نے بادشاہ کو زمین پر پٹخ کر ذاتی مفاد کی غرض سے پاش پاش کر دیا۔

اس کے واقعات مختصراً یہ ہیں کہ قاتل علاؤالدین خلجی۔ فیروز خلجی کا بھتیجا بھی تھا اور داماد بھی تھا۔ فیروز خلجی نے اس کو کڑہ مانک پور کا حاکم مقرر کیا تھا اور وہاں اس نے اپنے پاؤں خوب جمائے تھے۔ بظاہر تو وہ بادشاہ پر اپنی خیر خواہی کا رنگ جمائے ہوئے تھا۔ لیکن دراصل وہ اس کی جان کا خواہاں تھا۔ شاہ فیروز خلجی (جلال الدین) کو دھوکے اور چال بازی سے علاؤالدین نے کڑہ مانک پور (الہ آباد) بلوایا جو گنگا کے کنارے الہ آباد سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر لبِ سڑک واقع ہے۔ بادشاہ معمولی حفاظتی فوج لے کر وہاں گئے اور ملاقات کا وہ نتیجہ ہوا جس کی تاریخ میں مشکل سے کوئی مثال مل سکتی ہے۔ اس دغا اور فریب کی کامیابی کی بدولت بوڑھا جلال الدین فیروز خلجی نہ صرف اپنی جان سے گیا بلکہ اس کے جائز وارث بھی تخت و تاج سے محروم ہو گئے۔ جب یہ واقعہ دریا کے کنارے پر پیش آیا تھا تو دوسرے کنارے پر فیروز خلجی کا وزیر احمد جو تھوڑی بہت فوج لے کر ساتھ گیا تھا۔ اس خوفناک واقعہ کے بعد دہلی روانہ ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کا سر بہتا ہوا ایک مچھیرے

کے جال میں آگیا تھا جس کی وجہ سے وہ گاؤں تاج سر مشہور ہو گیا۔

دہلی میں جب اس واقعہ کی خبر پہنچی تو ملکہ جہاں کو بہت تشویش ہوئی۔ بڑے بیٹے خان جہان کا تو پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ دوسرا بیٹا ارکلی خان جو سب بھائیوں میں زیادہ قابل اور جری تھا۔ ملتان میں تھا۔ ملکہ نے سب سے چھوٹے بیٹے رکن الدین ابراہیم قادر خان کے بادشاہ ہونے کا اعلان کرا دیا اور جو امراء دہلی میں موجود تھے انھوں نے بھی اس فیصلہ کو منظور کر لیا۔ علاؤالدین اپنے چچا کے خون میں ہاتھ رنگنے کے بعد فوراً دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب بے چارے رکن الدین اور اس کی ماں کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ دونوں ارکلب خان کے پاس ملتان جا کر پناہ لیں۔ چنانچہ یہی ہوا اور ۹۵-۱۲۹۶ء میں علاؤالدین اس جابرانہ رویہ کی بدولت باقاعدہ دہلی میں تخت نشین ہو گیا۔

امیر خسرو نے جہاں انسانی خود غرضیوں کے تماشے دیکھے تھے یہ خونِ ناحق بھی دیکھ لیا۔ کچھ عجیب اتفاق تھا کہ جب امیر کو تھوڑا سا بھی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا تھا۔ اس قسم کے واقعات پھر قسمت کو پلٹ دیتے تھے۔ امیر خسرو کو اپنے ولی نعمت کے اس حادثہ کا بہت افسوس ہوا۔ لیکن اس کے جانشین کی تخت نشینی پر جو قصیدہ لکھا اس میں اپنے تاثرات کا اظہار کیسے ممکن تھا۔ خود امیر خسرو ہی کی بعض تحریرات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسا عمدہ زمانہ انھوں نے داد و دہش اور قدردانی کے لحاظ سے فیروز خلجی کا دیکھا تھا وہ بات پھر نصیب نہ ہوئی۔

Marfat.com

علاؤالدین تخت و تاج سنبھالنے کے بعد ہی ہر قسم کی اصلاحات کی طرف راغب ہو گیا۔ پہلے خود تائب ہوا اس کے بعد عام طور پر ممنوعات شرعی سے اجتناب کرنے کی سختی سے پابندی عائد کر دی اور اصلاحی احکامات جاری کر دیے، اس کے زمانے میں بہت سے سرکش راجہ مطیع اور فرمانبردار ہو گئے۔ اور ملک میں فتنہ و فساد کا قلع قمع ہو گیا تھا۔

تاتاریوں نے اس کے زمانے میں بھی حملے کیے اور بعض اوقات سخت لڑائیاں بھی ہوئیں۔ جن میں علاؤالدین کو کامیابی ہوئی۔ تاتاری گرفتار ہوئے اور ان کو بیدردی سے قتل کیا گیا۔ تاکہ ان کو عبرت حاصل ہو ایک آخری حملہ تاتاریوں کا ایسا شدید تھا کہ انھوں نے متواتر دو ماہ تک دارالخلافہ دہلی کا محاصرہ جاری رکھا۔ لیکن پھر خود ہی واپس چلے گئے اس واقع کو عام طور پر شاہ نظام الدین اولیاء کی کرامات خیال کیا جاتا ہے۔

علاؤالدین کے زمانے میں ملک کا انتظام قابلِ اطمینان تھا کپڑا اور غلہ عام طور پر سستا تھا۔ رعایا خوشحال اور فارغ البال تھی۔ ہر قسم کی اصلاحات نافذ ہو چکی تھیں۔ بردہ فروشی۔ رہزنی، شراب خواری تقریباً بند ہو گئی تھی۔ اس زمانے میں جادوگر عورتیں بچوں کو مار کر ان کا خون پی لیا کرتی تھیں، اس کا بھی کما حقہ انسداد ہو گیا تھا اور ایسی عورتوں کو عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں۔

چونکہ بادشاہ جزرس تھا۔ اس لیے پہلی سی داد و دہش نہ تھی۔

Marfat.com

امیر خسرو نے جو ایک عرضداشت میں اپنی تکالیف کا اظہار کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ مالی تکالیف کے علاوہ امیر کو اکثر بادشاہ کے ساتھ مہم پر جانا ہوتا تھا جس کی وجہ سے ان کو علمی ادبی مشاغل کے واسطے وقت نہ ملتا۔ اور نہ سکونِ قلب حاصل ہوتا تھا۔

شاہ نظام الدین اولیاء کا زمانہ ۶۳۴ھ لغایت ۷۲۵ھ ہے۔ اور علاالدین کی بادشاہت ہی کے زمانے میں امیر خسرو نظام المشائخ کے مُرید ہوئے تھے۔ عمر بھی کافی ہو چکی تھی۔ دربار داری کے بعد ان کو جس قدر بھی وقت ملتا تھا، پیر کی صحبت میں صرف کرتے تھے۔ مریدی کے بارے میں بعض نے لکھا ہے کہ آپ نے ۶۷۰ھ میں پیر سے بیعت حاصل کی تھی۔

سلطان علاؤالدین نے اکیس ۲۱ سال حکومت کی۔ اور ۷۱۲ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا شہاب الدین تخت پر بیٹھا اور صرف تین ماہ حکومت کر سکا۔ قطب الدین مبارک شاہ جب بادشاہ ہُوا تو اپنے ایک نومسلم ملازم کو جو خاندان کا بھی اچھا نہ تھا۔ خسرو خان کا خطاب دے کر قلمدانِ وزارت اس کی سپرد کر دیا تھا۔ جب وزیر کو ساتھ لے کر دکن کی مہم میں شریک ہُوا۔ اور فتح حاصل کی۔ تو ضرورت سے زیادہ مغرور ہو گیا۔ رعونت اور تند مزاجی کے علاوہ وہ اپنے آپ کو پیشوا سمجھنے لگا اور رب العالمین ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ بھائیوں کو اس نے اندھا کرا کر قتل کرا دیا۔ اس کے بعد حضرت نظام الدین اولیا کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے بھائی خضر خان نے نظام المشائخ

سے بیعت حاصل کی تھی. دویم حضرت خواجہ کا اقتدار اس کی نگاہوں میں کھٹکتا تھا۔ اور اکثر شراب کے نشہ میں کہہ دیا کرتا تھا کہ کوئی حضرت کا سر کاٹ کر لے آئے تو میں ایک ہزار تنکے اس کو انعام میں دوں گا۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ بادشاہ نے حضرت کو دربار کی حاضری کا حکم ان الفاظ میں دیا کہ " اگر جمادی الاول کے مہینے میں آخری تاریخ تک شریکِ دربار نہ ہوئے تو خانقاہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا" جب آپ کے مریدوں نے وقت کی نزاکت کا اندازہ کر کے حضرت کو شرکت دربار کا مشورہ دیا تو آپ نے انکار کر دیا۔ آخر وہ وقت بھی آ پہنچا اور اس دن کے ختم ہونے سے پہلے ہی مبارک شاہ کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ اس طرح پر کہ اسی کے چہیتے غلام خسرو خان نے اس کو قتل کر دیا اور خود تخت کا مالک بن گیا۔

جب خسرو خان تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے ہم قوم ہندوؤں کو کثرت سے عہدے دے دیئے اور خود عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ ملک کی حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امراء دربار اس حالت کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہ کر سکے اور برگشتہ ہو گئے۔ سب نے بغاوت کر دی۔ چنانچہ چار ماہ حکومت کرنے کے بعد ایک امیر درباری غازی ملک کے ہاتھ سے قتل ہو گیا اور جس طرح پر کہ اس نے اپنے آقا کا سر کاٹ کر جس مقام پر پھینکا تھا۔ اسی مقام پر اس کا بھی سر کاٹ کر پھینکا گیا اور بالآخر خلجی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

غازی ملک کے اس کارنامے نے غازی کو درباریوں میں ممتاز بنا دیا تھا اس لیے سب نے مل کر اس کو شاہی تاج پہنا دیا اور بادشاہ تسلیم کر لیا گیا

Marfat.com

یہ بادشاہ سلطان تغلق عرف غیاث الدین کے نام سے مشہور ہوا یہ واقعہ شعبان ۷۲۱ھ مطابق ستمبر ۱۳۲۱ء کا ہے۔ غازی ملک تغلق بہت منکسر مزاج، خوش خلق، مذہب کا پکا، اور شعارِ اسلامی کا پاس کرتا تھا۔ اس کے بادشاہ ہونے سے ملک میں اظہار اطمینان کیا گیا۔ امیر نے بھی بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور ایک قصیدہ میں جو تخت نشینی کے بعد لکھا تھا۔ بادشاہ کی بہت تعریف کی تھی۔ تغلق شاہ بھی بظاہر امیر کی بہت عزت کرتا تھا لیکن حسن اتفاق دیکھئے کہ یہ بادشاہ بھی حضرت نظام الدین اولیاء کی طرف سے بدگمان رہا اور جو رقومات خسرو خان نے اپنی ہردل عزیزی کی غرض سے امراء اور مشائخ کو دی تھیں۔ ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ وجہ یہ تھی کہ خزانے میں روپیہ نہ تھا۔ لیکن نظام المشائخ نے واپس کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ غربا اور مساکین کی امداد میں خرچ ہو چکی تھیں۔ یہ جواب ملنے پر بادشاہ اور زیادہ ناخوش ہو گیا۔

۷۵۲ھ میں غیاث الدین تغلق ترہٹ اور ستار گاؤں کی مہمات پر روانہ ہوا اور اپنے بیٹے جونا خان عرف محمود تغلق کو اپنی جگہ دہلی میں اپنا نائب مقرر کر کے اور امیر خسرو کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ اس کا بغض نظام مشائخ سے اس قدر بڑھ گیا تھا کہ روانگی کے وقت اس نے یہ فہمائش کر دی تھی کہ وہ اس کے دہلی آنے سے پہلے دار السلطنت چھوڑ کر دور چلے جائیں ورنہ اچھا نہ ہو گا۔

یہ حکم دے کر بادشاہ مہم پر روانہ ہو گیا اور جب وہاں سے فارغ ہو کر دہلی واپس آ رہا تھا۔ اس وقت حضرت کے مریدوں کو تشویش ہوئی اور

رفع شر کے خیال سے سب نے حضرت کو یہی صلاح دی کہ دہلی چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ "ہنوز دلی دور است" یعنی اس کو دہلی آنے تو دو۔ ابھی تو دہلی اس سے دور ہے۔

جب بادشاہ کے بیٹے جونا خان کو اپنے باپ کی آمد کا علم ہوا۔ تو شاہی استقبال کے واسطے اس نے دہلی کو پُر رونق بنانا چاہا۔ اور انواع اقسام کی تیاریاں شروع کر دیں۔ لیکن چونکہ وقت کم اور کام زیادہ کرنا تھا اس واسطے اس نے یہ مناسب سمجھا کہ دہلی سے تھوڑے فاصلہ پر ایک مکان تعمیر کرا کر اس میں بادشاہ کو ٹھہرایا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب بادشاہ، امراء اور خود جونا خان اسی مکان میں کھانے سے فارغ ہوئے تو شاہزادہ اٹھ کر ہاتھیوں کو جن کو وہ اپنے ہمراہ لایا تھا۔ بادشاہ کو دکھلانے کے واسطے ترتیب سے کھڑا کرانے کا بندوبست کرنے کے واسطے باہر چلا گیا۔ عین اسی وقت اس عمارت کی چھت بادشاہ اور درباریوں پر گری اور بادشاہ ہلاک ہو گیا اور جونا خان عرف ناصر الدین محمد تغلق دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ اس طرح پر حضرت نظام المشائخ کی پیشین گوئی کہ "ہنوز دہلی دور است" درست ثابت ہوئی۔

Marfat.com

باب ۳

سلسلۂ طریقت، بیعت اور وفات

قبل اس کے کہ امیر خسرو کے حالات شروع کیے جائیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیر حضرت نظام الدین کے بارے میں چند ضروری باتیں بیان کر دی جائیں۔ حضرت کا اسم گرامی محمد بن احمد بن علی البخاری اور القاب سلطان المشائخ، سلطان جی، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین، اور نظام الدین اولیاء ہے مگر عوام میں محبوب الٰہی کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ کے والد بزرگوار غزنی سے ہجرت کر کے لاہور آئے تھے۔ اخبار الاخیار میں مذکور ہے کہ خواجہ صاحب کے دادا اور نانا دونوں۔ بخارا سے لاہور آئے اور وہاں کچھ روز قیام کر کے ضلع بدایوں صوبہ (یو۔ پی) ہندوستان پہنچے۔ اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اسی شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ آپ کی ولادت ہوئی۔ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ آپ کے والد کا نام احمد بن دانیال تھا اور غزنی سے ہندوستان آئے تھے۔

آپ کا سن ابھی پانچ ہی سال کا تھا کہ آپ کے والد دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اور آپ کی تعلیم اور تربیت کا پورا بار آپ کی والدہ

Marfat.com

بی بی زلیخا پر پڑا۔ یہ بی بی نہایت نیک اور فرشتہ خصلت تھیں اور حضرت نظام الدین کے دل پر ان کی ابتدائی تعلیم اور تربیت کا بہت گہرا اثر ہوا۔ مذہب کی طرف میلان شروع ہو گیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد بی بی زلیخا آپ کو دہلی لائیں۔ اور ایک مسجد کے زیر سایہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگیں۔

روپے کی تنگی کی وجہ سے ماں بیٹے نہایت عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ باوجود اس کے ماں بیٹے کی تعلیم کی طرف سے غافل نہ تھیں اور جو کچھ ممکن ہو سکا۔ وہ کرتی رہیں۔ اس زمانے میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے اور بادشاہ بلبن ان کا بے حد قدر دان تھا۔ چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانے میں ان کو شمس الملک کا خطاب دے کر اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ خوش قسمتی سے نظام الدین اولیاء کو ان سے استفادہ کا موقع مل گیا اور استاد نے شاگرد کو ذہین اور ہونہار دیکھ کر پوری توجہ سے تعلیم دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بارہ سال کی عمر ہی میں حضرت نظام الدین علوم ظاہری میں کامل ہو کر باطن کی طرف مائل ہو گئے۔ مولانا اپنے خاص عزیز شاگردوں کو اکثر حجرے میں درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں یعنی قطب الدین ناقلہ۔ برہان الدین عبدالباقی اور خواجہ نظام الدین کو حاصل تھا۔

مولانا شمس الدین کا جب کوئی شاگرد درس سے غائب ہو جاتا تو اس سے مذاق کے طور پر دریافت کرتے کہ میاں میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی جو تم

Marfat.com

درس میں شریک نہ ہوئے ۔ اگر بتلا دو تو میں پھر وہی قصور کروں تاکہ تم آئندہ بھی حاضر نہ ہو سکو ۔ لیکن جب خواجہ نظام الدین کا درس غائب ہو جاتا اور وہ استاد کے پاس جاتے تو وہ ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

بارے کم از آنکہ کاہ گاہے
آئی و بما کنی نگاہے

تذکرہ اولیائے کرام میں مذکور ہے کہ خواجہ نظام الدین ہلال دار طشت کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رہا کرتے تھے اور قریب ہی خواجہ فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا جو ظاہری اور باطنی علوم سے بہرہ ور تھے ۔ ان کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ خواجہ صاحب کے دل میں بابا فرید شکر گنج کی ملاقات کا شوق پیدا ہو گیا ۔ ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے کہ صبح کے وقت موذن نے مینار پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی (ترجمہ) "کیا وہ وقت نہیں آیا کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ۔ ان کے دل اللہ کے ذکر اور اس کی فضیلت سے جھک جائیں" یہ سن کر آپ کے دل کی عجیب کیفیت ہوئی ۔ اسی زمانے میں ابوبکر قوال جو اجودھن (پاک پٹن شریف) سے آیا ہوا تھا اس سے نظام الدین اولیاء کو وہاں کے حالات معلوم ہوئے ۔ اور بابا صاحب سے اشتیاق قدمبوسی پیدا ہوا ۔ اور آپ زیارت کو روانہ ہو گئے ۔

جب آپ وہاں پہنچے تو بابا صاحب نے آپ کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا ؎

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یعنی تیری جدائی کی آگ نے میرے دل کو کباب کر دیا ہے اور اشتیاق ملاقات کے طوفان نے جانوں کو خراب کر دیا ہے۔

بہرحال جب آپ کی بابا صاحب سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اسی وقت چہار ترکی نامی ٹوپی سر سے اُتار کر مُرید کے سر پر رکھ دی تھی۔ خواجہ صاحب اپنے پیر کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ لغایت ۳ ربیع الاول تک تعلیم و تربیت روحانی حاصل کرتے رہے۔

خانقاہ میں کھانے کا انتظام مُریدوں کے ذمہ تھا۔ چنانچہ نظام الدین اولیاؒ بھی اسی انتظام پر مامور تھے۔ ایک روز اتفاق سے نمک نہ تھا آپ نے بطورِ قرض بقال سے نمک لے کر کھانے میں ڈال دیا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے جب نوالا کھانا چاہا تو فرمایا کہ "ازیں بوئے اسراف می آید"۔ یعنی اس میں فضول خرچی کی بو آرہی ہے۔ حضرت نظام الدین نے عرض کیا کہ اس کھانے میں نمک قرض کا ہے۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے اگر موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذتِ نفس کے لیے وہ مقروض ہوں کیونکہ قرض اور توکل میں بُعد المشرقین ہے۔

یہ کہہ کر وہ کھانا فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس کے بعد پیر نے یہ دُعا دی کہ انشاء اللہ آئندہ تمھیں قرض کی ضرورت ہی نہ ہوگی۔

جب شاہ نظام الدین اولیاء دہلی تشریف لائے تو شہر میں قیام

Marfat.com

کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ وہاں کی حالت خراب تھی، آوارہ اوباش بدچلن غرض کہ قابلِ ملامت اشخاص وہاں بکثرت موجود تھے۔ آپ کو چونکہ ایسے لوگوں کی اصلاح منظور تھی۔ اس لیے اپنے واسطے ایسا مقام تجویز کیا جو شہر سے باہر بھی تھا اور قریب بھی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علاوہ عوام الناس کے شاہی منصب دار اور ملازمین شاہی وغیرہ رفتہ رفتہ آنے شروع ہو گئے جو شرع کے خلاف تھے۔ اکثر اشراق کی نماز میں آن کر شریک ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ خود شاہ علاالدین بھی مع اپنے خاندان کے آپ کا بہت معتقد ہو گیا تھا جس کا یہ اثر ہوا کہ شراب اور جوئے وغیرہ سے نہ صرف بادشاہ تک تائب ہو گیا بلکہ عام طور پر ان تمام باتوں کی اصلاح ہو گئی۔ کوئی پگڈی ایسی نظر نہ آتی تھی کہ جس میں مسواک اور کنگھا نہ ہو۔

آپ نے تمام عمر شادی نہیں کی اور زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں صرف کرتے تھے۔ آپ اکثر اپنے مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کی غرض سے اجودھن جایا کرتے تھے۔ آخر بار پیر نے واپسی کے وقت فرمایا تھا کہ اللہ تعالےٰ تجھے نیک بخت بنائے۔ تم ایسے درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق کو آرام ملے گا۔ اس کے بعد یہ نصیحت فرمائی کہ حصولِ استعداد کے لیے برابر مجاہدے کرتے رہنا۔

حضرت نظام الدین ہندوستان میں صوفیائے چشت کے چوتھے پیشوا ہوئے ہیں۔ جنھوں نے اصلاح کا بہترین کام کیا۔ گناہگاروں نے گناہ سے توبہ کرلی تھی۔ بابا فرید شکر گنج کے وصال کے وقت محبوبِ الٰہی اجودھن

ں نہ تھے۔ لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح
سے ان کو ملا تھا مولانا بدر الدین اسحاق کی معرفت اپنے مرید خواجہ نظام الدین
کے پاس بھیج دیا تھا۔ باباصاحب کے مریدوں میں علاؤالدین صابر کلیری بھی تھے
باصاحب فرمایا کرتے تھے کہ "علم سینہ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی
سپرد و علم دل من بہ شیخ علاؤالدین علی احمد صابر فائز گردید"

امیر خسرو بھی ان خوش قسمت لوگوں میں تھے جو حضرت نظام المشائخ سے
روحانی فیض یاب ہوئے۔ خسرو کے اپنے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ
۶۷۱ھ میں باقاعدہ مرید ہوئے۔ اور آپ کو حضرت نے ایک بارانی اور ایک
کلاہ چہار ترکی عنایت فرمائی تھی۔ امیر خسرو پر پیر و مرشد کی تربیت کا ایسا اثر تھا
کہ برسوں صائم الدہر رہے اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش تھی کہ سینہ پر سے
کپڑا ایسا ہو جاتا تھا کہ گویا جل گیا ہے۔

آپ کے مرید ہونے کے زمانے میں اختلافات ہیں۔ بعض افضل الفوائد
کے حوالے سے ۶۷۱ھ بتلاتے ہیں اور بعض کی تحریروں سے اکتالیس سال
کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہ غالباً ان بیانات کی بناء پر ہے کہ جن میں آٹھ سال
کی عمر میں مرید ہونا بتلایا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مرید ہو جانے کے بعد جو
کچھ امیر کے پاس تھا وہ سب اللہ کی راہ میں دے دیا تھا اور پابہ دامن
ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ خواجہ صاحب سے امیر کی ارادت اور عقیدت عشق
کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ ہر وقت ساتھ رہا کرتے تھے۔ انہی کے خیال
سے جیتے تھے۔ خواجہ صاحب کو بھی ان کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ فرمایا

کرتے تھے کہ جب قیامت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ نظام الدین کیا لایا ہے تو خسرو کو پیش کر دوں گا۔ امیر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کرتے تھے کہ "الٰہی بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا ببخش" یعنی اے اللہ اس ترک کے سینہ میں جو آگ روشن ہے اس کی بدولت مجھے بخش دے"۔ خواجہ صاحب نے امیر کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء لبِ دریا کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے اور اہل ہنود کے اشنان اور طریقہ عبادت کو دیکھ رہے تھے۔ امیر خسرو سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

یعنی ہر قوم سیدھے راستے پر ہے جو اپنا دین اور قبلہ بھی رکھتی ہے۔ اس وقت نظام الدین اولیاء کی ٹوپی اتفاق سے ٹیڑھی تھی۔ امیر نے اسی طرف اشارہ کرکے کہا

من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے

یعنی میں نے ٹیڑھی ٹوپی والے کی طرف رخ کرکے اپنا قبلہ سیدھا کر دیا ہے۔

علامہ زمان میر غلام علی آزاد بلگرامی اپنی کتاب خزانۂ عامرہ میں تحریر کرتے ہیں کہ جس وقت امیر خسرو نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی نظم جو حضرت کی مدح میں لکھی تھی، سنائی تو آپ خوش ہوئے اور فرمایا کہ کیا صلہ چاہتا ہے۔ عرض کیا کہ دعا فرمایئے کہ میرے کلام میں شیرینی پیدا ہو جائے۔ فرمایا کہ ہماری چارپائی کے نیچے شکر رکھی ہے اس کو لا کر

پنے سر پر سے نثار کر اور تھوڑی سی اس میں سے کھائے۔ امیر نے ایسا ہی کیا۔
ور شیرینی کلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ بعد میں افسوس کیا کہ میں نے
س سے بہتر چیز کی دعا کے واسطے کیوں نہ خواہش کی۔

ایک مرتبہ حضرت امیر خسرو نے رسول کریمؐ کی شان میں ایک طویل
نعت لکھی۔ جو ایک کتاب بن گئی۔ آپ نے وہ کتاب اپنے پیر کی خدمت
میں پیش کی۔ حضرت نے اس کو لے لیا۔ جب کئی روز گذر گئے اور امیر
نے اس کے بارے میں حضرت کی رائے معلوم کرنا چاہی۔ آپ نے فرمایا
کہ میں نے اس کو دیکھ لیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا۔ امیر نے نہایت
ادب سے عرض کیا کہ اگر رائے عالی معلوم ہو جائے تو اس خادم کو اطمینان
ہو جائے گا۔ حضرت نے جواب دیا کہ اچھا تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ اسی
روز امیر نے رات کو خواب دیکھا۔ کہ ایک مجلس ہے جس میں اکثر اولیائے عظام
تشریف فرما ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا انتظار کیا جا رہا ہے چنانچہ
وہ بزرگ بھی تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ صدر جلسہ نے ان سے
مخاطب ہو کر فرمایا کہ سعدی اپنی وہ نعت سناؤ جس سے بہتر رسول کریمؐ
کی شان میں کوئی نعت ہو ہی نہیں سکتی۔ سعدی نے خوش الحانی سے یہ نعت
سنائی ۔

بلغ العلےٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلو علیہ و آلہٖ

یہ سن کر سب پر وجدانی کیفیت طاری ہو گئی اور امیر کی آنکھ کھل گئی۔ جبح

Marfat.com

کو پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر رات کے خواب کا ماجرا بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ خسرو سعدی نے اس نعت میں دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ اس سے بہتر کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔

فی الحقیقت انسان کی صفات میں یہی تین چیزیں دیکھی جاتی ہیں یعنی اس کا کمال، جمال اور خصال۔ حضرتؐ ان تینوں صفات کا ایسا مجموعہ تھے جو کسی بشر میں نہیں پائی گئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ اللہ نے خود تعریف فرمائی ہے اور کلام پاک اس کا موید ہے۔

امیر خسرو نے بھی اس کو تسلیم کیا اور پیر سے کتاب لے کر دریا میں ڈال دی۔

پیر کو حضرت امیر سے اس قدر انس تھا کہ یہ وصیت فرمائی تھی کہ خسرو میرے مزار کے قریب نہ آنے پائیں ورنہ بے تاب ہو کر میرا جسم باہر آجائے گا۔ چنانچہ امیر مزار سے دور ہی بیٹھ رہتے تھے آج بھی یہ دستور ہے کہ زائرین پہلے حضرت امیر کے مزار پر فاتحہ پڑھتے ہیں اس کے بعد شاہ نظام الدین کے مزار پر جاتے ہیں اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔

نفحات الانس میں مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ کے اشارے سے حضرت امیر خسرو خواجہ خضرؑ سے ملاقی ہوئے اور لعاب دہن کی خواہش کی۔ حضرت خضرؑ نے جواب دیا کہ یہ دولت تو شیخ سعدی کی قسمت میں تھی جو ان کو مل گئی۔ امیر خسرو نہایت شکستہ دل

Marfat.com

ذکر حضرت سلطان المشائخ کی خدمت حاضر ہوئے اور کل حال بیان کیا۔ حضرت نے اپنا لعابِ دہن ان کے منہ میں ڈالا اور برکت اس کی ظاہر ہو گئی۔

تذکروں میں یہ واقعہ منقول ہے کہ سلطان جلال الدین کو حضرت نظام الدین کی قدمبوسی کا بے حد اشتیاق تھا مگر اجازت نہ ملتی تھی آخر ایک دن امیر خسرو سے کہا کہ میرا ارادہ تو یہ ہے کہ بلا اجازت ہی ایک دن ان کی خدمت میں پہنچ کر قدمبوسی حاصل کروں اور امیر خسرو کو منع کر دیا کہ یہ راز افشا نہ ہو۔ آپ یہ سن کر بہت پریشان ہوئے کیونکہ اُدھر بادشاہ ادھر پیر کی ناراضگی کا سوال۔ یہ دونوں باتیں صبر طلب اور سخت تھیں۔ آخر کار پیر سے سب حال بیان کر ہی دیا۔

حضرت سلطان المشائخ یہ سن کر اجودھن (پاک پٹن) اپنے پیر خواجہ فرید الدین گنج شکر کے پاس روانہ ہو گئے۔

بادشاہ کو جب معلوم ہوا تو امیر سے راز فاش کرنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے سب حال سچ سچ بیان کر دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! تیری ناراضگی میں تو صرف جان کا خوف ہے اور حضرت کی ناراضگی میں سلب ایمان کا خوف تھا۔ اس وجہ سے میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دی اور حضرت سے یہ حال ظاہر کر دیا۔

بادشاہ سمجھ دار تھا معقول جواب سن کر خاموش ہو گیا۔

ایک مرتبہ سلطان علاؤ الدین خلجی نے چاہا کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر کی خدمت میں چوا دلیائے نامدار مشائخ چشت تھے حضرت سلطان

المشائخ کے ہم عصر اور ایسے مست الست تھے کہ بڑے بڑے صاحب کما
لوگوں کی ہمت ان کے سامنے جانے کی نہ ہوتی تھی۔ بادشاہ نے کچھ نذرا
ارسال کرنے کا ارادہ کیا۔ اُمرا کی یہ رائے ہوئی کہ سوائے امیر خسرو کے کو
دوسرا شخص اس کام کے واسطے موزوں نہیں ہے، بادشاہ نے ایک دربار
امیر کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بھیجا کہ امیر خسرو کو جانے کی اجازت
ہو جائے۔

پہلے تو سلطان المشائخ نے تامل کیا پھر کچھ سوچ کر اجازت دے دی
اور روانگی کے وقت امیر خسرو کو نصیحت کر دی کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ
فرمائیں اس کو تسلیم کرنا اور کسی بات پر معترض نہ ہونا۔ امیر خسرو دہلی سے نذر
سلطانی لے کر پانی پت روانہ ہوئے اور تیسرے روز وہاں پہنچ کر اپنے آنے
کی اطلاع قلندر صاحب کو کرائی۔ فرمایا کہ آنے دو۔ امیر نے قریب پہنچ کر
سلام علیک کی۔ قلندر صاحب نے اس کے جواب میں کوئی لفظ ہندی زبان
کا فرمایا۔ جس کے معنی گانے والے کے ہوتے ہیں۔ یہ سن کر امیر نے پھر
سلام کیا اور کہا یہ آپ کی عنایت ہے کہ جو میری طرف خطاب ہوا۔ ورنہ
میں تو ایک ناچیز بندہ ہوں۔ یہ جواب سن کر قلندر صاحب نے فرمایا کہ

"از کلام ہائے خود چیزے بگو"

یعنی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ امیر نے نہایت خوش الحانی سے اپنی وہ
غزل سنائی۔ جس کا مطلع اور مقطع یہ ہے۔

Marfat.com

آفتِ دین مسلمانی جز آں عیّار نیست
تشنۂ خون مسلماناں جز آں خونخوار نیست

ترجمہ

دین اسلام کے لیے بڑی آفت تو وہ شوخ ہی ہے۔ اس سفّاک سے زیادہ کون مسلمانوں کا تشنۂ خون ہے۔

چند گویندم بروز نار بند اے بُت پرست
ہر تنِ خسرو کدامے رگ کہ آں زنار نیست

ترجمہ

میں کتنی بار کہہ چکا ہوں کہ اسے گلے میں جنیؤ ڈالے ہوئے بت پرست چلا جا، کیونکہ تجھے تو اپنے جنیؤ پر ناز ہے اور خسرو کے جسم میں جس قدر رگیں ہیں وہ سب جنیؤ ہیں۔

یہ غزل سن کر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خسرو خوب کہتا ہے۔ خوش رہے گا۔ خوش جائے گا۔ اس کے بعد یہ اشعار قلندر صاحب نے خود پڑھے۔

ونہیم خسرواں برہے فیل و شتر است
خسرو کسے کہ حلقۂ تجدید بر سر است
عقل کل است علم لدنی بعارفان
ایں عقل و علم جسم و رسم ہم مختصر است

یہ اشعار سن کر امیر خسرو پر رقت طاری ہوگئی۔ قلندر صاحب نے فرمایا کہ کچھ سمجھا بھی؟

Marfat.com

امیر نے جواب دیا کہ مجھے رونا اس قدر آیا کہ میں کچھ نہیں سمجھا۔ یہ جواب سن کر قلندر صاحب بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی نذر قبول کر لی۔ فرمایا۔ کہ اگر مولانا نظام الدین (سلطان المشائخ) درمیان میں نہ ہوتے تو میں ہرگز قبول نہ کرتا۔ اس کے بعد خدام کو حکم دیا کہ امیر خسرو کو خانقاہ میں اعزاز اور اکرام سے رکھو چنانچہ تین دن امیر نے وہاں قیام کیا۔ پھر اجازت چاہی۔ اجازت مل گئی اور دو خط ایک حضرت سلطان المشائخ اور دوسرا سلطان علاؤالدین کے نام تحریر کرکے ان کو دیئے۔

حضرت امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب ہی تھے بلکہ شاہی درباروں سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے۔ لیکن باوجود اس کے وہ کبھی تو مرشد کی خلوت میں ایک ادنیٰ خادم بن کر رہتے تھے کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے انداز میں مرشد کو اپنی غزلیں سناتے تھے اور جو شعر مرشد کو پسند آتا تھا اس کو بے خود ہو کر بار بار خود بھی گایا کرتے تھے۔ وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کا فیض خیال کرتے تھے مرشد سے امیر کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک درویش نے محبوب الٰہی کے پاس آن کر سوال کیا۔ اتفاق سے اس روز لنگر خانے میں کوئی چیز دینے کے واسطے نہ تھی۔ محبوب الٰہی نے فرمایا کہ آج جو کچھ بھی آئے گا وہ تم کو دیا جائے گا۔ مگر اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہ آئی۔ فرمایا۔ کہ کل جو کچھ آئے گا وہ تمہارا ہے لیکن دوسرے دن بھی کچھ نہ آیا۔ بالآخر محبوب الٰہی نے اپنے پیر کی جوتیاں دے کر فقیر کو رخصت کر دیا۔ وہ جا رہا تھا

Marfat.com

کہ راستہ میں کہیں امیر خسرو مل گئے اور درویش سے شیخ کی خیریت دریافت کی۔ جب درویش وہاں کے حالات بتلا رہا تھا تو اس نے وہ نشانی بھی دکھلا دی جو وہاں سے لایا تھا۔ امیر دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ درویش سے پوچھا کہ "میاں صاحب اس کو فروخت کرتے ہو؟" وہ راضی ہو گیا۔ امیر کے پاس اس وقت ایک قصیدہ کے صلہ کی کثیر رقم تھی۔ جو بادشاہ نے دی تھی۔ وہ سب درویش کو دے کر نعلین خرید لیے۔ اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے محبوب الٰہی نے دیکھ کر فرمایا کہ خسرو! یہ چیز بڑی سستی تمہارے ہاتھ آ گئی امیر نے عرض کیا کہ اگر میری جان کے عوض بھی مجھ کو یہ چیز مل جاتی تب بھی میں اس کو سستی ہی خیال کرتا۔

محبوبِ الٰہی کی محبت کا بھی یہی عالم تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں یہ وصیت کرتا کہ امیر خسرو کو بھی میری ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ اس کے بعد یہ وصیت فرمائی تھی کہ خسرو کی قبر میرے پہلو میں ہونی چاہیئے۔

انتقال سے پہلے حضرت صاحب فراش ہو چکے تھے کیونکہ علیل تھے بالآخر وہ دن بھی آ پہنچا جب آپ کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ انتقال کے وقت جو کچھ بھی اناج یا نقد آپ کے پاس تھا وہ سب غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا اور اپنے خاص مریدوں کو خاص خاص مقامات کے واسطے نامزد کر دیا اور اپنی چادر، عصا، سجادہ اور کشکول وغیرہ حضرت نصیر الدین روشن چراغ کو عطا کر کے ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ اور ۱۷ ربیع الثانی ۷۲۴ھ کو شام کے وقت آپ اس دنیا سے رخصت ہو

Marfat.com

گئے۔ عمر آپ کی نوّے سال کی ہوئی۔

آپ کا سلسلہ بیعت و طریقت حضرت خواجہ ممشاد دینوری، حضرت خواجہ ابو محمد چشتی، حضرت خواجہ ناصر الدین چشتی، حضرت خواجہ مودود چشتی، حضرت خواجہ حاجی شریف زندی، حضرت خواجہ عثمان ہارونی، سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ ممشاز کاکی، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء دہلوی سے ہے۔

جس وقت حضرت نے وصال فرمایا حضرت امیر خسرو بنگال میں تھے۔ یکایک پیر کی یاد نے آپ کو بے چین کر دیا اور اجازت لے کر دہلی کا رخ کیا۔ راستے کے منازل تیزی سے طے کرتے ہوئے دہلی پہنچے اور پیر کے وصال کا علم ہوا۔ یہ سن کر آپ بے چین ہو گئے۔ سر کو ٹکرا کر چیخ ماری اور کہا کہ "سبحان اللہ! آفتاب در زمین اور خسرو زندہ" یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو اپنی ساری املاک شیخ کے ایصال ثواب کے لیے فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دی اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر گئے اور اسی وقت سے مجاوری کی خدمت انجام دینے لگے اور اسی فراق کے صدمہ میں پانچ ماہ بعد ۱۸ شوال ۷۲۴ھ کو آپ بھی اس دار فانی سے جدا ہو کر اپنے محبوب سے جا ملے۔

کتاب سفینۃ اولیاء سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ انتقال سے چند روز قبل آپ اپنا یہ دوہا پڑھا کرتے تھے ؂

گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارو کیس ۔ چل خسرو گھر آپنے رات بھئی چوندیس

Marfat.com

یعنی پیر جو گیسو دراز تھے وہ اپنے بالوں سے منہ ڈھانکے ہوئے سو رہے ہیں. اے خسرو! تو بھی اپنے اصلی گھر چل، کیونکہ تاریکی ہر طرف پھیل گئی ہے

جب امیر رحلت فرما گئے تو وصیت کے بموجب جو شیخ نے کی تھی. آپ کو ان کے پہلو میں دفن کرنے کی تجویز ہوئی. لیکن مہدی خواجہ سرائے جو اس وقت منصب وزارت پر فائز تھے اور شیخ کے مرید بھی تھے، اس بنا پر ایسا کرنے سے روک دیا کہ دونوں قبروں میں تفریق جاتی رہے گی. آپ کی عمر ۷۴ سال کی ہوئی. پیر کے انتقال کے بعد آپ کچھ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ سلطان محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد صرف ایک آدھ قصیدہ اس کی تعریف میں کہا تھا مگر شاعری سے دل سرد ہو چکا تھا اور پیر کے وصال کے بعد خود ہی کہہ دیا تھا کہ اب زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہوں گا. چنانچہ یہی ہوا۔

امیر کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو گی کہ آپ کا مقبرہ ہندی خواجہ نے جو سلطان بابر کا خاص امیر تھا تعمیر کرایا اور ملا شباب تمامی نے آپ کی تاریخ وفات لکھ کندہ کرا دی.

شد عدیم المثل یک تاریخ او
واں دگر شد طوطیٔ شکر مقال

امیر خسرو کے صاحبزادوں میں ملک احمد شاعر تھے اور سلطان فیروز شاہ کے دربار میں ندیم تھے. لیکن انصاف یہ ہے کہ امیر خسرو کی اس یادگار سے جو زیادہ سے زیادہ توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی. اصلیت یہ ہے کہ ملک احمد چونکہ خسرو کی یادگار تھے اس لیے بادشاہ اور درباری ان کو بھی گویا امیر کا

Marfat.com

تبرک خیال کرتے تھے۔

شاہ علاالدین اور اس کے تمام خاندان کو حضرت نظام المشائخ سے خاص عقیدت تھی۔ خضر خان جو مرید تھا اکثر پریشانی اور فکر کی حالت میں پیر سے رجوع کرتا تھا اور دُعا کا طالب ہوتا تھا۔ یہی حالت بادشاہ کی تھی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کو امیر خسرو سے جو خلوص تھا اس کا ثبوت خود ان کی رباعی سے ہوتا ہے ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست
مُلکیت کہ ملکِ سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست
زیراکہ خدائے ناصر خسرو ماست

حقیقت بھی یہی ہے کہ ۶۹۸ھ میں ان کی والدہ اور چھوٹے بھائی حسام الدین کے انتقال کے صدمہ کو جو امیر کو ہوا تھا صرف پیر کی صحبت ہی دور کر سکتی تھی حضرت کا مزار نظام المشائخ کے پائنتی ہے اور یہ قطعات ان کی لوح مزار پر کندہ ہیں۔

اے شربت عاشقی بجامت | وز یاد زماں زماں پیامت
شد ملک فرید از تو منظوم | زانست کہ شد لقب نظامت
جاوید لقاست بندہ خسرو | چوں شد بہ ہزار جان غلامت

مرا نام نیکو ست خواجہ عظیم | دو شین و دو لام د دو قاف و دو جیم

Marfat.com

اگر نام یابی تو زین حرف ہا ۔۔۔ بدانم کہ ہستی تو مرد فہیم

حضرت امیر خسرو کا مقولہ ہے کہ "ہر کہ خود را بیند خدائے را نہ بیند"
یعنی جو شخص محض اپنی خواہشات نفسانی کے قریب ہے وہ خدا سے دور ہے
جو لوگ صاحبِ عقل ہیں وہ پانی آگ اور حاکم پر اعتماد نہیں کرتے۔ تال، سم
کی واقفیت اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت سلطان المشائخ
کے پاس ایک درویش سیاح آئے اور رات کو کھانا کھانے کے بعد اپنی
سیاحت کی داستان اس قدر طوالت سے بیان کی کہ رات زیادہ گذر گئی
اور داستان ختم نہ ہوئی۔ حضرت نے انگڑائیاں، جمائیاں بھی لیں۔ لیکن وہ سادہ
لوح نہ سمجھ سکا۔ جب آدھی رات ہوئی۔ تو حضرت نے امیر سے مخاطب ہو کر
فرمایا کہ یہ نوبت کی آواز کیا کہتی ہے (یہ اس زمانے کا شاہی دستور تھا کہ بارہ
بجے رات کو شاہی نوبت نقارہ بجا کرتا تھا) امیر خسرو نے جواب دیا کہ میری
سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ "نان کہ خوردی خانہ برو۔ خانہ برو۔ خانہ برو۔
نہ بدست تو کردم خانہ گرو۔ خانہ گرو۔ خانہ گرو" یعنی نقارے کے تال
اور سم سے یہ آواز نکلتی ہے کہ کھانا کھالیا اب اپنے گھر کو جاؤ۔ میں نے
اپنا گھر تمھارے ہاتھ گرو نہیں رکھا ہے"۔

یہ سن کر سیاح نے اپنی غلطی کو محسوس کیا اور چلا گیا۔ دنیا میں ہر
چیز کی قدر و قیمت کا معیار اس کی ذاتی صفات پر منحصر ہے۔ اسی طرح انسان
بھی صفات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ ورنہ انسان اور بعض جانوروں میں

Marfat.com

صرف دم ہی کا تو فرق ہے۔ جس قدر بھی اولیائے کرام، پیغمبران اور بزرگان دین دنیا میں آئے وہ حق اور صداقت کا ایک مشن ساتھ لائے تھے خواہ اس کی تکمیل میں ان کو جیسی ہی دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن انھوں نے ثابت قدمی سے برداشت کیا اور اپنے کاموں میں عین رضائے حق کا خیال کیا۔

جو لوگ عجائب پرست ہیں وہ ان برگزیدہ ہستیوں کے کارناموں کو معجزہ، کرامات اور عجائب تر باتوں کی تہ میں تلاش کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان بزرگوں کی لائف ہی بذات خود معجزہ اور کرامات سے کم نہیں ہے۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ہر پیغمبر اولیاء اللہ اسی وقت مبعوث ہوتے ہیں جب اس ملک یا قوم میں انتہا درجہ کی گمراہی، خود رائی اور فسق و فجور عام ہو۔ یا برائی اور بھلائی کا فرق مٹ جائے چنانچہ ہندوستان میں جس قدر بزرگ جس زمانے میں بھی ممالک غیر سے آئے یا وہ ہندوستان ہی کے باشندے تھے، تقریباً ہر ایک کا زمانہ اسی قسم کا تھا یعنی کفر و ظلمت کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ اکثر مسلمان بادشاہوں کی یہ حالت تھی کہ نعوذ باللہ خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور دین داروں کو بے دین ہونے کی ترغیب دیتے تھے۔ یہاں تک کہ اس زمانے کے بعض سنہری اور روپہلی مصلحتیں رکھنے والے مولوی بھی ان کے ہم نوا بن جاتے تھے۔ حق بات کہنے والوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہوتی تھی۔ ان حالات میں بھی خدا کے برگزیدہ بندے صعوبتیں برداشت کرکے حالات کا مقابلہ کرتے تھے اور خدا کے سامنے جھک کر منکران حق کے سروں کو جھکا دیتے تھے یہ معجزہ نہیں تو کیا تھا۔ خدا معلوم دنیا میں کتنے پیدا ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ ان کو غیر تو کیا اپنے بھی یاد نہیں رکھتے لیکن

Marfat.com

جس کا نام زندہ رہتا ہے وہ صرف وہی ہوتے ہیں، جن کو کبھی فنا نہیں ہے۔

موت وہ ہے کہ کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ آئے ہیں سبھی دہر میں مرنے کے لیے

میں جن بزرگوں کے حالات لکھ رہا ہوں۔ ان کے وصال کو تقریباً سات سو سال گزر گئے۔ لیکن اب بھی ان کے مزارات پر زائرین اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا ہے جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاق ایسے وسیع تھے کہ دشمن سے بھی کبھی انتقام لینے کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا وہ متوکل تھے اور ان کا ہر فعل مشیتِ ایزدی کے عین مطابق ہوتا تھا اور اگر کوئی ان سے ٹکرا تا تھا تو وہ منہ کی کھاتا تھا۔ ان کی حق پرستی باطل پر غالب آتی تھی۔ یہی وہ صفاتِ عالیہ ہیں جو بڑے چھوٹے امیر غریب ہندو مسلمان سب کو ان کے مزارات پر جانے کے واسطے مجبور کرتے ہیں اور انہی مزارات سے ہم اخلاقی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ آج جو اللہ والے نظر آتے ہیں وہ بھی انہی کی روحانی اور اخلاقی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

حضرت نظام المشائخ اور حضرت امیر خسرو کی لائف میں یہ تمام خوبیاں درجہ اتم موجود ہیں اور بلاشبہ حضرت نظام المشائخ ہی کا یہ فیض تھا کہ امیر خسرو کو وجود شاہی اعزاز اور منصب کے جو ان کو حاصل تھے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دے کر اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ جس کی بابت وہ خود فرماتے ہیں کہ:

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائیکہ من بودم

Marfat.com

آپ کی علمی قابلیت کا دنیا کو اعتراف ہے اور اس کا خود ان کو اقرار ہے کہ ان کی شیریں کلامی پیر کے لعابِ دہن کی برکت تھی، طبیعت ایسی جدت پسند واقع ہوئی تھی کہ بایدو شاید۔ جو بات کسی کے دماغ میں نہ آتی تھی وہ آسانی سے کہہ گزرتے تھے۔ زبان اردو کے باوا آدم ہیں۔ الغرض زندگی کے جن اعلیٰ مقاصد کو لے کر آئے تھے ان کو کمال حسن و خوبی سے انجام کو پہنچایا اور پائے ثبات میں لغزش نہ آنے پائی۔

Marfat.com

ہندی شاعری پہیلیاں مکرنیاں وغیرہ

ہندوستان کی قدیم زبان کھاری تھی۔ آریہ اثرات نے اس میں برج
ا اور سنسکرت کا اضافہ کیا۔ اس کے بعد تلنگی۔ مرہٹی۔ گجراتی وغیرہ صوبائی
یں شامل ہوئیں اور بعدہٗ عربی، فارسی، ترکی زبانوں کے اختلاط سے زبان
و کہلائی۔ لیکن ہندوستان کے وسطی حصے میں مثلاً اضلاع متھرا، آگرہ بھرت پور،
گڑھ میں یہی اردو برج بھاشا کہلائی جاتی ہے اور ہندی کے مشہور شاعر تلسی کبیر داس
م خان خاناں وغیرہ کے دوہے اسی زبان میں ہیں۔ اس لیے زبان اردو مشترکہ
ن ہے۔

امیر خسرو نسل کے لحاظ سے ترک تھے، پیدائش کے لحاظ سے ہندوستانی
لیکن زبان کے لحاظ سے جتنا ذوق ان کو عربی فارسی اور ترکی زبانوں سے
ا تھا ہی برج بھاشا اپنے وطن کی زبان سے تھا وہ چاہتے تھے کہ اس گلدستہ
نواع و اقسام کے پھولوں سے آراستہ کیا جائے۔

امیر کو اردو زبان کا باوا آدم اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے
ں خیال کو عملی جامہ پہنانے کے واسطے پہلا قدم اٹھایا اور پہیلیاں مکرنیاں دوہے

Marfat.com

اور اشعار کہے۔ جن میں بھاشا اور فارسی کو ملا کر شیر و شکر کر دیا اور یہ زبان ایسی مقبول ہوئی کہ ہر شخص آج بھی ان کو شوق سے پڑھتا اور سنتا اور بولتا ہے۔ یقین کے ساتھ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سب دوہے وغیرہ انہی کے ہیں کیونکہ ان کا ہندی کلام تلف ہو چکا تھا۔ لیکن اغلب یہی ہے کہ صدیوں سے زبان زد خلائق ہونے کی وجہ سے ان کے اشعار بجنسہٖ اسی حالت میں محفوظ رہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

سُرمہ

لودھ پھٹکری مردا سنگ — ہلدی زیرہ ایک ایک ٹنگ
افیون چنا بھر مرچیں چار — ارد برابر تھو تھا ڈار

منجن

ترپھلا ترکٹا تینوں نون پتنگ — دانت بجر ہو جات ہیں ما جو پھل کے سنگ

پہیلیاں

نر ڈسے ایک تریا اتری اس نے بہت کھایا — باپ کا نام جو اس سے پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پتا پر پیارا بوجھ پہیلی موری — امیر خسرو یوں کہیں وا کا نام

فارسی بولیں آئینہ — ترکی بولیں پائی نا
ہندی بوجھے آرسی آئے — منہ دیکھے جو اسے بتائے

بلیسوں کا سر کاٹ لیا نا مارا نا خون کیا ناخن

اندھا گونگا بہرہ بولے گونگا آپ کہائے
ایک سفیدی بہوت انگارا گونگے سے بھڑ جائے
بانس کا بندر واکا باشا باشے کا وہ کھاجا
سنگ چلے تو سر پر راکھیں واکو راو راجا
بانس کرے نام بتایا تائیں سبیا ایک
الٹا سیدھا ہر پھر دیکھو وہی ایک کا ایک
بھید پہیلی یہ سنائی میں نے میرے لال
عربی ہندی فارسی تینوں کرو خیال اناڑ

سر کاٹو تو اس بنے پاؤں کاٹو تو پیالا
امیر خسرو یوں کہیں رنگ ہے اس کا کالا جامن

ایک نار بھونرا اسی کالی کان نہیں وہ پہنے بالی
ناک نہیں وہ سونگھے پھول جتنا عرض اتنا ہی طول ڈھال

سب کوئی اس کو جانے ہے پر ہر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دمڑی من لیکھا ہے فکر ہے کیا زن دیکھا ہے آئینہ

Marfat.com

ایک ناری کا ایک ہی نر — بستی باہر وا کا گھر
پلیٹھ سخت اور پیٹ نرم — منہ میٹھا تاثیر گرم

بال نچی کپڑے پھٹے موتی لیے اُتار — یہ بپتا کیسی ہے جو ننگی کر دی نار

پہیلی ہے ہیں کی نہیں بنائی — کھانے کی وہ چیز نہیں پرکھائی

کاٹ کا گھوڑا تیس سوار — بوجھن ہارا برخوردار

کان میں رکھ تو یہ الہام — نیچے لٹکے اوپر نام

ایک نار دو کو نے بیٹھے — ٹیڑھی ہو کر بل میں سر کے
جس کی بیٹی اسے سہائے — خسرو اس کے بل بل جائے

آدھا ری کمہار کی آدھی سب کے پاس — جو تجھے سارا چاہیے جنگل وا کے پاس

گول کاٹ اور سندر مورت — کالا منہ اس پر خوبصورت
جو کوئی ہماری پہیلی بوجھے — سینا دیکھ پرونا سیکھے

Marfat.com

چالیس من کی نار کہلائے سوکھی جیسے تیلی کہنے کو پردہ کی بی بی لاکھوں رنگ رنگیلی

ایک پُرکھا پتریاں چار کیوں کر پہنچا اُن پر پیار
آنکھوں دیکھ اور تن میں بُوجھ رائی برابر ہے نہیں جھوٹ

بالا تھا جب سب کو بھایا بڑا ہُوا جب کام نہ آیا
خسرو کہدو وا کا ناؤں بوجھو نہیں تو چھوڑو گاؤں

اندر چلن باہر چلن بیچ کلیجہ دھڑکے امیر خسرویوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے

جل کر بنے جل میں رہے آنکھوں دیکھا خسرو کہے

ایک انوکھا گھر بنایا اوپر نیو نیچے گھر چھایا
بانس نہ بلّی بندھن گینے کہو خسرو گھر کیسے بنے

چار مینے بہت چلے اور چار مینے تھوڑی امیر خسرویوں کہیں تو بوجھ پہیلی موری

لکڑی کی سولی وا کو ناؤں چلے پھرے وہ اپنے پاؤں

بن حبیب باتیں بن جیواں کھائے　　مارے سے تو مرے نہیں بن مارے مر جائے

گوری ہے پر سبزہ رنگ　　لنگڑی ہے ٹوٹی نہیں ٹنگ
ایک نام کی دو کو سلائیں　　ایک کو چھوڑیں ایک کو کھائیں

(سفید رنگ کے گھوڑے کو سبزہ کہتے ہیں)

مَیں سکھی بوجھوں تجھ سے بات　　اندر دن اور باہر رات

چیستان فارسی

چیستان یک درخت شاخش چار　　میوہ ہر رنگ رنگ اردبار
سرخ سبز و سیاہ ہم زرد است　　پختہ را خام میکند ہشیار
در ولایت نہ باشد ایں میوہ　　ہست در ہند ایں چنیں بسیار

چیستان مار کان دو سر دارد　　ہر دو سوراخ سر بدر دارد
ہر کہ بگشاید ایں معمّہ را　　دانم از عاشقی خبر دارد

گُلِ دیدم کہ او بے خار باشد　　نہ در صحرا نہ در گلزار باشد
نہ او را کس فروشد نے خریدار　　ولے بر تختۂ بازار باشد

Marfat.com

یکے مرغ دیدم نہ پاؤں نہ پیر — نہ از شکم مادر نہ پشت پدر
نہ بر آسماؤں نہ زیر زمین — ولے میخورد گوشتِ آدمی

چیست آں جانور کمر بستہ — یک وجود و ہزار سر دارد

آں چیست کہ غیر سر نہ دارد — رہ میرود و خبر نہ دارد
وقت زدن دو سر شود چوب — پرّد بہ ہوا و پر نہ دارد

عجائب صورت در شام دیدم — اگر گویم کسے باور نہ آید
درخت بر سرش حوضِ پر از آب — درو مارے کہ دُم و سر نہ دارد

چیست آں گنبدے کہ در بر سر — اندرونش نشست یک دختر
خون او را بہ نیزہ بر دارند — نالہ مشرق بہ مغرب اندازند

کہ مکرنیاں

اس طریقہ میں یہ صنعت ہے کہ کہنے والا ایک بات کہتا ہے اور مکر جاتا ہے۔ گویا ایک ہی پہیلی کے دو جواب ہوتے ہیں اور دونوں صحیح ہوتے ہیں:

Marfat.com

سگری رین موہے سنگ جاگا بھور بھئی تو بچھڑن لاگا
اس کے بچھڑے پھاٹت جیا اے سکھی ساجن نا سکھی دیا

سوپ سلونا سب گن نیکا وا بن سب جگ لاگے پھیکا
وا کے سر پر ہووے کون اے سکھی ساجن نا سکھی لون

وہ آوے تو شادی ہووے اس بن دوجا اور نہ بھاوے
میٹھے لاگیں وا کے بول اے سکھی ساجن نا سکھی ڈھول

اونچی اٹریا پلنگ بچھایا میں سوئی میرے سر پر آیا
کھل گئیں تن آنکھیاں بھئی آنند اے سکھی ساجن نا سکھی چند

جب مانگوں جب جل بھر لاوے میری پیاس سبھی بجھاوے
شیام برن وہ کھڑا ہے چھوٹا اے سکھی ساجن نا سکھی لوٹا

نیلا کنٹھ اور پیارے ہرا سیس مکٹ وہ ناچے کھڑا
گھنا دیکھ الاپے چور اے سکھی ساجن نا سکھی مور

جس کل مجھ کو چین نہ آئے وہ میری تو نس آن بجھائے
ہے وہ سب گن بارہ بانی اے سکھی ساجن نا سکھی پانی

Marfat.com

مکھ چومت مورا دن رات ہونٹھن لاگت کرت نہ بات
جائے موری جگ میں پت اے سکھی ساجن نا سکھی نتھ
نتھ

ایک سجن مورے دل کو بھاوے جائے مجلس کھڑی سہاوے
سووت سنوں اٹھ دوڑوں جاگ اے سکھی ساجن نا سکھی راگ
راگ

ایک سجن وہ کھڑا پیارا جائے گھر مورا اجیارا
بھور بھئی جب بدا ہیں کیا اے سکھی ساجن نا سکھی دیا
چراغ

سگری رین چھتین پر راکھا رنگ رس سب واکا چاکھا
بھور بھئی تب دیا اتار اے سکھی ساجن نا سکھی ہار
ہار

باٹ چلت مورا انچرا کھینچے اپنی کہے نہ موری سنے
اسی بات کا جھگڑا اچھا نٹا اے سکھی ساجن نا سکھی کانٹا
کانٹا

نامعلوم
رین پڑے تب گھر میں آوے واکا آنا موکو بھاوے
گر پڑوا ہیں گھر مو لیتا اے سکھی ساجن نا سکھی......

نامعلوم
باٹ چلت من پڑا جو پایا کھوٹا کھرا جن نا پرکھا یا
کھو جائے تو ہووے کیا اے سکھی ساجن نا سکھی.....

دوارے مورے ٹھاڑا رہے　　دھوپ چھاؤں سر پر سہے
جا کو دیکھے جاوے بھوک　　اے سکھی ساجن نا سکھی روکھ

ایک سجن مورا من بھاوے　　مکھ چومے اور بات بناوے
ہونٹن لاگ سبھی رس کھینچا　　اے سکھی ساجن نا سکھی....

شاہان اودھ کے کتب خانے میں جو موتی محل اور توپ خانے میں تھے امیر کی دو سو چیستاں اور پہیلیاں موجود تھیں اور ایسا کلام بھی تھا۔ جس میں فارسی آمیز غزلیں اور کہہ مکرنیاں وغیرہ بھی تھیں۔ جو اب ناپید ہیں۔ عام طور پر چند متفرق غزلیں اور اشعار کتابوں میں پائے جاتے ہیں مثلاً:

زحال مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
نہ تاب ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے ہمارے پیو کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کی ورائے رکھوں جو جان پاؤں پیا کی گھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا — در غم ہجر تو کمر ٹوٹ ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من — بے گنہم ساتھ عجب روٹھ ہے
سوئے تو رونق شکن آفتاب — سرو بہ پیش قد تو بوٹھ ہے
گاہ ز خسرو تو نہ گفتہ کر بیٹھ — من چہ کنم بھاگ مرا پھوٹ ہے

پسرے زرگرے چو ماہ پارا — کچھ گھڑیے سنواریے پکارا
گفتا دل من گرفت و بشکست — پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

تیلی پسرے کہ می فروشد تیلے — از دست زبان اُو واویلے
خال زرخش دیدم و گفتم کہ تل ہت — گفتا کہ برو نیست دریں تل تیلے

دہی فروش

بگوئی کہ بحسن و لطافت چو مہی — ایں دیگ دہی بر سر تو چیز مہی
از ہر دو لبت قند شکر می ریزد — ہر گاہ بگوئی کہ دہی لو دہی!

رفتم بہ تماشائے کنارے جوئے — دیدم بلب آب زن ہندوے
گفتم صنما چیست بہائے مویت — فریاد بر آورد کہ دُر دُر موئے

دہلی والے بتان سادہ — پگ بستہ و چہرہ کج نہادہ
یک گل بروں و دیگر دروں — گل ز گل و ز گل آید بروں

صفت بیڑۂ تنبول کہ نزد ہمہ خلق   بہ ازاں نیست ثباتے بہ ہمہ ہندو

ڈھکوسلا انمل بے جوڑ

بھادوں کی پکی پیپلی چوچو پڑی کپاس   بی مہترانی دال پکاؤ گی یا ننگا سو رہو

دو سخنے ہندی

یہ بھی عجیب ترکیب ہے جس میں دو مختلف باتیں کہی جاتی ہیں اور جواب دونوں کا ایک ہی ہوتا ہے مثلاً :

برہمن پیاسا کیوں ۔ گدھا اداسا کیوں ________ لوٹا نہ ت

گوشت کیوں نہ کھایا ۔ ڈوم کیوں نہ گایا ________ گلا نہ ت

جوتا کیوں نہ پہنا ۔ سموسہ کیوں نہ کھایا ________ تلا نہ ت

انار کیوں نہ چکھا ۔ وزیر کیوں نہ رکھا ________ دانا نہ ت

پان سڑا کیوں ۔ گھوڑا اڑا کیوں ________ پھیرا نہ ت

کھچڑی کیوں نہ پکائی ۔ کبوتر کیوں نہ اڑائے ________ چھتری نہ

پانی کیوں نہ بھرا ۔ ہار کیوں نہ پہنا ________ گھڑا نہ ت

جوگی کیوں نہ بھاگا ۔ ڈھولکی کیوں نہ باجی ________ مڑھی نہ

گھر کیوں اندھیارا ۔ فقیر کیوں بدارا ________ دیا نہ ت

پوستی کیوں رویا ۔ چوکیدار کیوں سویا ________ ضامن نہ ت

دو سخنے فارسی و اُردو مشترکہ

داگر راچہ می باید۔ بوچے کو کیا چاہیئے ———— دوکان

ِ روح چیست ۔ پیاسے کو کیا چاہیئے ———— صدا

ہر دادی راچہ باید۔ کلاوت کو کیا چاہیئے ———— گاؤ

اری راچہ می باید۔ مسافر کو کیا چاہیئے ———— دام

چہ می دارد۔ مسافر کو کیا چاہیئے ———— سنگ

ِ بہ چہ می باید کرد۔ قوت مغز کو کیا چاہیئے ———— بادام

آئینہ چہ می بیند۔ دکھیا سے کون کہے ———— رو

نہ راچہ می باید۔ ملاپ کو کیا چاہیئے ———— چاہ

ایک مرتبہ امیر خسرو کہیں جا رہے تھے۔ گاؤں کے کنوئیں پر کچھ پنہاریاں پانی
ری تھیں۔ آپ کو پیاس معلوم ہوئی۔ ان کے قریب جا کر پانی مانگا۔ ان میں سے
نے آپ کو پہچان لیا۔ سب نے باہم مشورہ کر کے پانی پلانے کی یہ شرط قائم
کہ وہ کوئی دوہا پانی مانگنے کا سنائیں۔ تب پانی پلایا جائے۔ ان میں سے ایک
کہا کہ دوہے میں چرخے کا ذکر آنا چاہیئے۔ دوسری نے کہا کہ اس میں کتے کا نام
۔ تیسری نے کھیر کی فرمائش کی۔ ان سب متضاد چیزوں نے دوہے کی ترتیب
دشواری پیدا کر دی۔ تاہم انھوں نے برجستہ یہ دوہا سنایا۔

کھیر پکائی جتن سے چرخا دیا جلا
آیا کتا کھا گیا تو بیٹھی ڈھول بجا
اب لا پانی، پلا

حضرت امیر نے دنیا کی بے ثباتی کو ایسی خوبی سے پیش کیا ہے جو بے حد موثر ہے اور ایسا مقبولِ عام ہے کہ تقریباً ہر شادی میں دلھن کی رخصتی کے وقت گایا جاتا ہے۔ یہ گانا عام طور پر کہماچ راگ میں گاتے ہیں۔

لکھی بابل مورے

کاہے کو بیاہی بدیس رے لکھی بابل مورے

بھائیوں کو دیئو محل دو محلے ہم کو دیا پردیس رے لکھی بابل مورے
ہم تورے بابل بیلے کی کلیاں گھر گھر مانگی جائیں رے لکھی بابل مورے
ہم تورے انگنا کی بھولی رے چڑیاں کھائیں سبھی اڑجائیں رے لکھی بابل مورے
ہم تیرے کھونٹے کی بھولی رے گیاں ہانکو جدھر نیک جائیں رے لکھی بابل مورے
طاق بھری میں نے گڑیاں جو چھوڑیں چھوڑا سہیلی کا ساتھ رے لکھی بابل مورے
سونا بھی دیئو روپا بھی دیئو دیئو رتن جڑاؤ رے لکھی بابل مورے
ایک نہ دی مورے سر کو دے کنگھی سانس نند لوٹنے ماریں رے لکھی بابل مورے
ننگے پاؤں سیرا بابل دوڑا سمدھی ڈولا تھام رے لکھی بابل مورے
ڈولے کا پردہ اٹھا کر جو دیکھا آیا پرایا دیس رے لکھی بابل مورے

کاہے کو بیاہی بدیس رے لکھی بابل رے

امیر کے مزاج میں ظرافت بھی تھی۔ اور مروت بھی۔ جس کسی کو موقع مل جاتا کچھ نہ کچھ فرمائش کر دیتا تھا، آپ کی ہر دل عزیزی کی بڑی وجہ یہی تھی۔ امیر کے محلہ کے متصل چھمّو نام کی ایک بڑھیا ساقن رہا کرتی تھی۔ شہر کے بیہودہ

Marfat.com

اوباش اس کی دوکان پر بھنگ چرس پیا کرتے تھے۔ جب امیر اپنے گھر آتے تھے تو سلام کرتی اور کبھی کبھی دو چار باتیں بھی کر لیا کرتی۔ چونکہ امیر کو کسی کی دل شکنی منظور نہ تھی ایک آدھ بات کا جواب دے کر چلے جاتے۔

ایک دن اس نے کہا کہ آپ ہزاروں غزلیں گیت راگ راگنی بناتے ہیں اور کتابیں طرح طرح کی لکھتے ہیں، کوئی چیز اگر اس لونڈی کے نام بھی لکھ دو گے تو کیا ہو جائے گا۔ آپ کے صدقہ میں ہمارا نام بھی دنیا میں رہے گا۔ آپ نے کہا بی چھمو بہت اچھا۔ لو سنو۔

اوروں کے چوپہری باجے چھمو کے اٹھ پہری
باہر کا کوئی آئے نا ہیں آئیں سارے شہری
صاف صوف کر آگے رکھے جس میں نا ہیں توسل
اوروں کے جہاں سینگ سماوے چھمو کے وہاں موسل

یہ عبارت ذو معنی ہے۔ ایک تو وہ مطلب ہے جو الفاظ سے ظاہر ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ توسل کے معنی کثافت اور میل مٹی کے ہیں۔ شاہی زمانے میں یہ رواج تھا کہ چوپہری یعنی چار وقت شاہی نوبت نقارہ بجتا تھا۔ امیر کہتے ہیں کہ یہ بادشاہوں سے بھی بڑھ گئی کیونکہ چھمو کے یہاں آٹھ پہر بجتی ہے (دوکان کا کام چلتا ہے) اور چہل پہل رہتی ہے۔ بھنگ گھوٹی اور پلائی جاتی ہے۔ خوبی یہ ہے کہ اس کے یہاں گنوار نہیں آتے بلکہ شہر کے صاف ستھرے لوگ آتے ہیں۔ بھنگ کا پیالہ بھی ان کو صاف دیتی ہے جس میں میل مٹی نہیں ہوتی۔

بھنگڑ فخریہ کہا کرتے ہیں کہ بھنگ ایسی گاڑھی تھی کہ اس میں سینک

Marfat.com

کھڑی ہو جائے۔ آپ شاعرانہ مبالغہ سے کام لے کر اس کے گاڑھے ہونے کی اس طرح تعریف کرتے ہیں کہ چھمو کی تیار کی ہوئی بھنگ میں سینگ درکنار موسل کھڑا ہو سکتا ہے چنانچہ اس واقعہ کی وجہ سے گو چھمو نہیں ہے مگر اس کا نام زندہ ہے۔

محبوب الٰہی کی شان میں جو نظم آپ نے کہی تھی وہ ایسی مقبول ہوئی ہے کہ قوالی میں آج بھی مزارات پر شروع میں گائی جاتی ہے۔ اس گانے کو رنگ کہتے ہیں ؎

آج رنگ ہے اے ماں رنگ ہے
الیسو پیر پائیو نجام الدین اولیا
جگ اجیارو میں تو الیسو رنگ اور نہیں دیکھوری
دیس بدیس میں تو ڈھونڈ پھری ہوں
تورا رنگ نہیں پائیو رے نجام الدین اولیا
آج رنگ ہے

چھاپ تلک سب چھینی رے موسے نیناں ملا کے
نیناں ملا کے سینا لڑا کے اپنی سی کر لینی رے موسے نیناں ملا کے
پریم گلی کا مد ہوا پلا کر متوالی کر لینی رے موسے نیناں ملا کے
بل بل جاؤں میں تورے رنگ رجوا۔ اپنی سی رنگ لینی رے موسے نیناں ملا کے
خسرو نجام کے بل بل جاؤں موہے سہاگن کینی رے
موسے نیناں ملا کے

Marfat.com

فارسی اور اُردو میں اظہارِ تعشق مرد کی طرف سے ہوتا ہے اور ہندی شاعری میں عورت کی طرف سے۔ امیر خسرو نے بھی ہندی اور فارسی میں اسی رواج کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور تصوفانہ رنگ میں بھی یہ طریقہ بے حد موثر اور دل آویز ہے تصوف عشق و محبت کا دلچسپ فلسفہ ہے۔ اکبر الہ آبادی نے چند مختصر الفاظ میں اس کی وضاحت اس طرح پر کی ہے

قطعہ

پوچھے اگر کوئی تصنیف کیا۔ کہدو اکبر کہ لفظ بے معنی
پوچھے اگر کوئی شریعت کیا۔ کہدو اکبر کہ لفظ با معنی
پوچھے کوئی اگر تصوف کیا۔ کہدو کہ معنیٔ بے لفظ

ذیل کے ہندی اشعار کو امیر نے برو ا راگ میں موزوں کیا ہے

جو پیا آون کہہ گئے اجھو نہ آوے سوامی ہو
اجھو جو پیا آون کہہ گئے
آون آون کہہ گئے آئے نہ بارہ ماس
خسرو اپنے پیا بن تس دن رہوں اداس
اجھو جو پیا آون کہہ گئے

ساونی

امیر نے موسمی لحاظ سے بارا ماسی ساونی ملہار وغیرہ گیتوں کی بنیاد

قائم کی اور ان کے گانے کے طرز اور راگ بھی اسی لحاظ سے قائم کیے۔ چنانچہ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج بھی لڑکیاں برسات کے موسم میں گھروں میں جھولے ڈال کر امیر ہی کا راگ الاپتی ہیں:

اماں میرے باوا کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا باوا تو بڈھا ری کہ ساون آیا
اماں میرے بھائی کو بھیجو ری کہ ساون آیا
بیٹی تیرا بھائی تو بالا ری کہ ساون آیا

یہ گانا ایسا آسان ہے کہ لڑکیاں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس میں گھر والوں کے ناموں کا اضافہ کر لیا کرتی ہیں اور موسمی اثرات سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ بہار اور بسنت کے میلے بھی بکثرت ہندوستان میں ہوتے ہیں جو قدیم زمانے کی یادگار ہیں اور ان میلوں نے بھی حضرت امیر کی طبیعت سے رنگ پکڑا ہے جن میں وہ خود بھی شریک ہو کر میلہ کی رونق اور دلچسپی بے لطف اندوز ہوتے تھے۔

الغرض امیر کے قدرتی مناظر، قدرتی جذبات اثرات اور عشق و محبت کی دل آویزیوں کو ہر پہلو سے الفاظ کے سانچے میں ڈھالا ہے اور یہ محض ان کی خداداد ذہانت تھی جو کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔

امیر کا ہندی کلام بھی ایک لاکھ اشعار بتلایا جاتا ہے جو اب ناپید ہے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مسلمانوں کی حالت اس زمانے میں ایسی ہی ہو گی جیسی کہ انگریزوں کے زمانے میں تھی اور اب بھی ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ انگریزی کے مقابلہ میں اردو کی طرف سے بے اعتنائی کرنے لگے ہیں۔ اسی طرح

Marfat.com

اس زمانے میں جبکہ فارسی کا دور دورہ تھا۔ مسلمان ہندی سے مانوس نہ تھے۔ غالباً اسی وجہ سے امیر کے ہندی کلام کی ترتیب اور حفاظت کی طرف سے مسلمان غافل رہے اور صرف چند گیت، مکرنیاں، انمل دوہے وغیرہ جو زبان زد خلائق تھے ان کا وجود باقی ہے۔

امیر نے موسیقی میں بھی ایجادیں کیں جن کے تفصیلی حالات باب ہفتم میں ملاحظہ فرمایئے گا۔ امیر کے بعد یہ علم مسلمانوں ہی کی سرپرستی میں پروان چڑھا سراج الدین ابوظفر بادشاہ بھی ان ہی قدر دانوں میں تھے اور خود بھی موسیقی سے واقف تھے۔ جب کبھی آستانۂ محبوبی میں حاضر ہوتے ہاتھ باندھ کر مزار شریف کے سامنے کھڑے ہوتے۔ اور عرض کرتے کہ "آپ کے باپ دادا کا دوم حاضر ہے"۔ اس کے بعد اپنی کوئی تصنیف کردہ چیز خوش الحانی سے گایا کرتے تھے۔

بعض ہندی دوہوں کے متعلق یہ شکوک ہیں کہ وہ امیر کے نہیں ہیں بلکہ ان سے منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ جن دوہوں میں امیر کا تخلص ہے۔ ان کو تو تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ ان کے علاوہ جو دوہے وغیرہ ان کا کلام بتلایا جاتا ہے وہ بھی زبان کے لحاظ سے یکساں نہیں مثلاً:

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن میرا من پیو کا دونوں بھئے ایک رنگ

علاوہ ازیں وہ روایات جو مسلسل صدیوں سے زبان زد خلائق ہوں اور پرانے

Marfat.com

زمانے والوں نے بھی اُن کو معتبر خیال کیا ہو۔ کیونکہ غیر معتبر خیال کی جا سکتی ہیں تصرف اور تحریف تو ممکن ہے۔ لیکن یکسر باطل ہونا غالباً صحیح نہیں ہے۔

الغرض امیر کی توجہ دنیا کے کسی پہلو سے ناآشنا نہ تھی جب علوم اور فنون میں کمال حاصل کر لیا تو میدان سخن وری میں طبیعت کی جولانی دکھلانی شروع کی۔ اور عمر کے ساتھ ان کا افق علم و معرفت وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ زمانے کے سرد گرم دیکھے۔ خوشی اور غم دونوں کی حقیقت معلوم کی۔ در اصل امیر نے اپنے نانا عماد الملک کی زندگی ہی میں جو بڑے پایہ کے شخص تھے۔ کافی شہرت حاصل کر لی تھی اور قدر دانی کے لحاظ سے وہ زمانہ بھی ایسا ہی تھا کہ جوہر شناس جوہری موجود تھے۔ جب ہمارے نوجوان شاعر کا دل مسرتوں سے لبریز تھا تو انھیں اپنی زندگی کے دوسرے دور سے واسطہ پڑا یعنی ۱۷۷۱ء میں ان کے نانا عماد الملک بھی ایک سو تیرہ سال کی عمر میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ امیر نے اپنی اس طویل عمر کے ستر سال بادشاہوں اور ملک کی خدمت میں گزارے اور اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کو بے مثل دیانت داری اور قابلیت سے انجام دیتے رہے۔ اس صدمہ نے امیر خسرو کے دل میں باپ کا غم تازہ کر دیا۔ نانا کے انتقال کا انھوں نے نہایت موثر اور پر درد مرثیہ کہا ہے جو دیوان تحفۃ الصغر میں موجود ہے۔

Marfat.com

باب ۵

فارسی شاعری

دیگر کمالات کے علاوہ اگر صرف شاعری کے پہلو پر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے۔ فارسی میں فردوسی، انوری، حافظ، عرفی، نظیری بلاشبہ اقلیم سخن کے بادشاہ تھے۔ لیکن بقول شبلی۔ ان کی حکومت ایک اقلیم سے آگے نہ بڑھ سکی۔ یعنی فردوسی مثنوی کے استاد تھے۔ سعدی نے قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ انوری نے مثنوی اور غزل کو چھوا تک نہیں۔ عرفی، نظیری اور حافظ غزل کے دائرے سے باہر نہ جا سکے۔ لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل۔ مثنوی قصیدہ۔ رباعی سب ہی داخل ہیں اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین، مستزاد، صنایع اور بدایع کا تو شمار ہی نہیں۔

اگر تعداد دیکھی جائے تو اس خصوصیت میں بھی کسی کو ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ فردوسی کے اشعار کی تعداد کم و بیش ستر ہزار ہے۔ صائب کی ایک لاکھ سے زائد ہے۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ تذکرۂ عرفات میں اوحدی نے لکھا ہے کہ امیر کا کلام جس قدر فارسی میں ہے اتنا ہی تقریباً ہندوی بھاشا میں ہے۔ افسوس ہے کہ اب اس مجموعہ کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے یہی

Marfat.com

حالت ترکی، عربی زبانوں کی ہے کہ جس میں وہ عرب کے ادیبوں کے ہمسر ہیں۔ یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ زبان سنسکرت سے بھی وہ ناآشنا نہ تھے۔

شاعری کے بعد نثر کا نمبر آتا ہے۔ نثر میں جو اصول اور قواعد انھوں نے مقرر کیے تھے اس کی ایک مستقل کتاب اعجاز خسروی تین ضخیم جلدوں میں موجود ہے اور نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

ان مختلف الحیثیت مشاغل کے ساتھ اگر امیر کو فقرا اور تصوف کے رنگ میں دیکھا جائے تو عالم قدس کے سوا انھوں نے دنیائے فانی کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا مصروفیت کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ جب تک پاؤں کا پسینہ سر تک نہیں پہنچتا کھانے کو نہیں ملتا۔

تا خوں نہ رود ز پائے تا سر
دستم نہ شود ز آب کس تر

اس اقلیم سخن کے باہر نے شاعری میں مسدس، خمسہ، غزل، مثنوی، قطعات وغیرہ کے علاوہ معمے بھی فارسی میں کہے ہیں۔ دریائے گنگا کا معمہ ملاحظہ ہو۔

گنگا کہ وے از لطف باصفا شد روشن
نامش برخوان کہ آیت آمد بدہن
از دانئے مبا ز نب بیرون برد
وانگاہ بگیر تو و پائش بشکن

الغرض آپ ان باکمال ہستیوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ صدہا سال کے بعد بھی پیدا کر دیا کرتا ہے۔ آپ کے پیر و مرشد حضرت محبوب الٰہی تقریباً تمام عمر

Marfat.com

دائم الصوم رہے۔ شغل باطن سے آپ کی آنکھیں سرخ رہا کرتی تھیں۔ انھیں خمار آلود آنکھوں کی کیفیت کو امیر نے اس طرح پر بیان کیا ہے ؎

تو شبانہ می نمائی کہ بہ برکہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مست است اثر خمار دارد

غرۃ الکمال کے دیباچہ میں سے شبلی لکھتے ہیں کہ امیر نے شاعر کی تین قسمیں لکھی ہیں اُستاد تمام جو کسی خاص طرز کا موجد ہو۔ اُستاد نیم تمام جو کسی خاص طرز کا موجد نہ ہو لیکن کسی خاص طرز کا پیرو ہو کر اس میں کمال حاصل کرے۔ سارق جو اوروں کے مضامین چرائے۔ اس کے بعد امیر کہتے ہیں کہ اُستادی کی چار شرطیں ہیں۔ طرز خاص کا موجد ہو۔ اس کا کلام شعرار کے انداز پر ہو۔ صوفیوں اور واعظوں کے طریقہ پر نہ ہو اور غلطیاں بھی نہ کرتا ہو۔ یہ شرائط لکھ کر امیر فرماتے ہیں کہ میں دراصل استاد نہیں ہوں۔ اس لیے کہ چار شرطوں میں سے مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں یعنی میں سرقہ نہیں کرتا اور میرا کلام صوفیوں اور واعظوں کے طریقہ پر نہیں ہے اس کے علاوہ میرا کلام لغزشوں سے بھی خالی ہے۔ سبحان اللہ! کیا ایمان داری کا بیان ہے اور کیا اس سے زیادہ انصاف پرستی اور بے نفسی کی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔ غزل قدما کے زمانے تک کوئی مستقل چیز نہ تھی۔ سعدی نے غزل کو غزل بنایا۔ گویا یہ وہی خمخانۂ سعدی کی شراب ہے۔ جو دوبارہ کھینچ کر دوآتشہ ہو گئی ہے۔

خسرو کی شوخی کلام کا انداز اس شعر سے کیجیے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب معشوق آتا ہے تو اس کے آنے سے لوگوں کا زہد و تقویٰ ٹوٹ جاتا ہے۔

Marfat.com

معشوق سے خطاب کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور دینداروں کے شہر میں اس طرح بے محابہ نہ آنا چاہیئے۔ گویا معشوق کی فتنہ انگیزی اس قدر زیادتی پر ہے کہ دیندار مسلمانوں کے تقویٰ اور زہد شکنی کا بھی خیال نہیں کرتا ؎

بُتِ تقویٰ شکن خود ایں چہ آخر نمی دانی
کہ در شہرِ مسلمانان نہ آید ایں چنین آمد

دوسرے معاملہ کی بات سنیئے۔ معشوق سے کہتے ہیں کہ میں اگر رات کو تیرے منہ پر منہ رکھ دوں تو اپنے آپ کو سوتا ہُوا بنا لینا۔ یہ نہ کہنا کہ ارے یہ کس کا منہ ہے ؎

جاناں اگر شبیست، دہن بر دہن نہم
خود را بخواب ساز مگو کیں دہان کیست

ایک شعر میں کہتے ہیں کہ تم نے بہت سے دل لیے ہیں۔ خوب غور سے دیکھو جو سب سے زیادہ زخمی ہو وہی میرا دل ہے ؎

دل بسے بروی نکو بشناس
انکہ مجروح تر از آنِ من است

ایک شعر میں کہتے ہیں کہ چاند بلندی پہ اور اندھیری رات میں نہیں چڑھ سکتا جب تک کہ تیری زلفوں کی سیڑھی نہ لگائے۔

آنسو کی جھڑی کو سب نے بارش سے تشبیہ دی ہے لیکن یہ بالکل نیا اسلوب ہے کہ تیرے جانے کے وقت مجھے رونا آتا ہے اس لیے ابھی نہ جا۔ اور بارش رک جانے دے۔" اس خیال میں یہ لطافت ہے کہ معشوق کے جانے پر میں روتا ہوں اور بارش ہونے لگتی ہے، بارش میں معشوق جا نہیں سکتا اس لیے

مجبوراً اس کو اپنا ارادہ ترک کرنا پڑتا ہے۔

امیر نے صنعت لفظی کی بھی ایجاد کی ہے مثلاً ایک طریقہ یہ ہے کہ جس میں ایسی عبارت لکھی ہے کہ الفاظ کے ردوبدل سے دو مختلف زبانوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔ اس ترکیب کا نام امیر نے "دو رُو" رکھا ہے اور اس صنعت میں کئی صفحے لکھے ہیں ؎

رسیدی بدیدی مرا وی بخانے
زمانے بباشی بیاری بشانے

اس شعر کو اگر فارسی میں پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "کل تو آیا اور ایک مکان میں تو نے مجھ کو دیکھا۔ ایک ذرا ٹھہر جا تو تو دوستی کے قابل ہو جائے گا۔ لیکن اگر اسی کو عربی میں پڑھا جائے تو یہ معنی ہوں گے۔" تو میرا ہدایت یافتہ ہے بے نظیر ہے۔ میری مراد ہے۔ میری نجات ہے۔ مجھ کو اس بات نے ناامید کیا ہے کہ میری عورتیں باہم لڑتی ہیں۔

ہر شخص کی شاعری اس کے پرواز تخیل کا آئینہ ہوتی ہے۔ امیر کی جدت پسند طبیعت ان فرسودہ خیالات سے اجتناب کرتی تھی جو شعرائے متقدمین کا پیش پا افتادہ سبق ہے۔

قلب اللسان فنین۔ اس میں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو زبان فارسی میں ہیں لیکن اگر ان کو الٹا پڑھیں تو عربی عبارت بن جائے گی مثلاً

پئے کامرانی درجہاں باش
می باش بکار شادمانی

Marfat.com

وصل الحرفین۔ اس میں یہ صفت ہے کہ جس قدر الفاظ عبارت میں آئیں ان میں کہیں کوئی الگ (مفرد) نہ ہو۔ بلکہ دو دو یا تین تین حروف سے وہ لفظ بنا ہو۔ مثلاً چاکر۔ خاصہ۔ حاجی۔ شرقانی وغیرہ۔

اس کے علاوہ ایک اور صنعت کا بھی اظہار کیا ہے۔ جس میں کوئی حرف ملایا نہیں جاتا۔ بلکہ الگ الگ (مفرد) ہوتے ہیں اور در اصل وہ بامعنی عبارت ہوتی ہے مثلاً در، دو، رو، داد، آورد، ادا، دارد، رو، آرائی، درازی، دواز، ذات، دا، در، دو، ران، را وغیرہ۔

ارلبتہ الحروف: اس صنعت پر امیر کو بہت ناز ہے۔ کئی کئی سطروں کی بامعنی عبارت لکھی ہے اور یہ التزام کیا ہے کہ صرف تین حروف ہ، و، ے کے سوا اور کوئی حروف عبارت میں نہ آنے پائے اور تمام الفاظ صرف انہی حروف سے عبارت بناتے ہوں اور بھی صناعی کے نمونے ہیں مثلاً:

معجزہ الاتسیہ والشفا۔ میں اس صنعت پر اور بھی ان کو ناز ہے جس میں ایسے الفاظ جمع کیے ہیں کہ سطریں کی سطریں پڑھتے جایئے۔ لیکن ہونٹوں کو جنبش نہیں ہوتی۔ صرف حلق سے ہی الفاظ نکلتے ہیں۔

ترجمہ اللفظ: یہ صنعت بھی خاص امیر ہی کی ایجاد ہے اس میں یہ التزام ہے کہ جو لفظ آتا ہے اس کے بعد کا لفظ دوسری زبان کے لحاظ سے پہلے لفظ کا ترجمہ ہوتا ہے مثلاً سودائے رُخ تو کشت مارا" یہ فارسی مصرعہ ہے جس میں مارا کے معنی "مجھ کو" ہیں۔ لیکن اگر کشت کا اُردو میں ترجمہ کیا جائے تو مارا ہم معنی لفظ ہے۔ یعنی کشت معنی مار ڈالنا اور مارا۔ ایک دوسرے

Marfat.com

شعر میں لکھا ہے ؎

وگر بر مارو بیری مار و پر مار
سخن شان مار مارو سر سر مار

محتمل معانی: اس صنعت میں ایک شعر میں ایک لفظ لائے ہیں جس کے سات (ہفت) معانی ہیں اور ہر معنی اس مقام پر موزوں ہوتا ہے۔

موقوف آلاخر: اس صنعت میں ایک رباعی لکھی ہے جس کا ہر قافیہ دوسرے مصرع کا محتاج ہے ؎

در حسن ترا کسے نہ ماند الّا
خورشید کہ ہر صبح برون آید تا
خدمت کند و پائے تو بوسد تا
بینی تو لبوئے او چو پا بوسد تا

یہ تو چند ترکیبیں بطور نمونہ پیش کی ہیں ورنہ اس قسم کی صنعتوں اور کاوشوں میں خسرو کی تیز ی طبع نے کئی جلدیں لکھ ڈالی ہیں جس کے تفصیلی حالات اعجاز خسروی کی ضخیم جلدوں میں موجود ہیں۔ ان میں جو کاوشیں پیش آئی ہوں گی ان کو تو خسرو ہی جانتے ہوں گے۔ لیکن بلاشبہ یہ کاوش فرہاد کی کوہ کنی سے زیادہ دشوار ہوگی جس کو انھوں نے ہنستے کھیلتے انجام کو پہنچایا۔

اکثر شعراء ذو معنی اشعار کہا کرتے ہیں۔ لیکن خسرو کی جدت پسند طبیعت نے بعض مواقع پر ایسے اشعار بھی کہے ہیں جس کے کئی معنی ہوتے ہیں مثلاً ذیل میں جو شعر ہے اس کے سات معنی ہیں۔

Marfat.com

پیل تن شاہی و بسیارست بارت بر سریر
زاں مرنج ابری و باغ گویمت بسیار بار

کتاب مراۃ الخیال میں جو فارسی میں ہے۔ اس شعر کی تشریح کے واسطے اس عبارت کو بجنسہٖ نقل کرنا مناسب خیال کرتا ہوں تاکہ لطافت الفاظ قائم رہے اور مفہوم آسان ہو جائے۔

"در لفظ بار کہ آخر است ہفت معنی ظاہر می کرد"

(۱) پیل تنی از آں مرنج اگر گویت بسیار بار۔ یعنی گراں باری بار بسیار است۔

(۲) تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار۔ چہ بار دادن بادشاہان عبارت از جلوس فرمودن است۔ بر سریر سلطنت وخود را بخاص وعام نمودن

(۳) تو شاہی مرنج اگر گویمت بسیار بار یعنی بسیار نکوکار چہ بار، در لغت نیک کردار است۔

(۴) تو شاہی ازاں مرنج اگر گویمت بسیار بار ترا شاہ گویم۔

(۵) تو ابری ازیں مرنج اگر گویمت بسیار بار معنی بسیار بہار!

(۶) اے باغ ازیں مرنج اگر ترا گویم کہ بسیار بار یعنی بسیار میوہ آورد"

ایں بیت امیر را تا امروز، ہیچ کس جواب نہ توانست رسانید۔"

اس کے علاوہ ذیل کی دو بیت امیر کی روحانی واردات کی تفسیر ہے

باغمت خوش بودم امشب گرچہ در زاری گزشت
یاد می کردم از آں شب ہا کہ در باری گذشت

ماجرائے دوش پرسیدی کہ چوں بگذاشت حال
اے سرت گردم چہ می پرسی بدشواری گذشت

ی قال نہیں بلکہ امیر زبانِ حال سے فرماتے ہیں کہ اگرچہ تمام شب روتے ری۔ لیکن میں اس حالت میں بھی خوش رہا۔ کیونکہ اس حالت میں وہ راتیں ی یاد کیں جو عیش و مسرت میں گذاری تھیں دوسرے شعر میں فرماتے ہیں کہ بوجھ ر اور کاندھے پر رکھ کر اٹھایا جاتا ہے۔ اے سر تو کاندھے کی تکلیف کا ال مت پوچھ۔ اب کسے یاد ہے کہ تکالیف کس طرح آتی ہیں اور گذر جاتی ہیں بعد وشیاں کس طرح آتی اور گذر جاتی ہیں۔ نہ خوشی کا اثر باقی رہتا ہے نہ غم کا سے

"شادی و غم ایک ہیں دونوں گذر جانے کے بعد"

متفرق رباعیات

اقبال را بقا نہ بود دل چو درد مند
عمرے کہ بر غرور گذاری فنا بود
گر نیست یادرت زمن این نکتۂ شریف
اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

یعنی اقبال، قلب۔ لابقا کے حروف کے ردّوبدل کرنے سے الفاظ تبدیل ہو جاتے ہیں۔

خسرو چہ حالت است کہ دد دیر عالماں
از جاہلاں دون ددنی باز ہم تر اند

این نکتہ را ببین و با انصاف خوش نوا
کز چار حرف قطرۂ و دریا برابر اند

صنعت لفظی ہے کہ جس نے عالم و جاہل، قطرہ و دریا کا فرق مٹا دیا ہے۔

از مشعل عشق ہر کہ افروختہ نیست
یا در سر سوز نے و لم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نئی ز ما دور کہ ما
آتش بدل کان ز ہم دوختہ نیست

خسرو غزل گوئی کو کوئی خاص اہمیت نہ دیتے تھے۔ ان کا قول ہے۔ کہ ہر وہ شخص جو دو چار شعر کہہ سکتا ہے وہ غزل گو ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے انھوں نے اپنی غزلوں کو دیوان کی شکل میں جمع کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ مختلف طور پر مختلف کتابوں میں درج کر دی ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج خسرو کی عام شہرت کا زیادہ تر دارومدار ان کی غزلوں ہی کی وجہ سے ہے اور اہل دل آج بھی اسی طرح سر دھنتے ہیں جیسے کہ ان کے زمانے میں۔

غالباً اس کی یہ وجہ ہے کہ ان کے طولانی مرصع اور مزین قصائد کے دیوان ان کی لمبی چوڑی مثنویاں اور انشاپردازی کے نمونے جو اعجاز خسروی کی پانچ جلدوں میں موجود ہیں زیادہ تر کتب خانوں کی زینت ہی بنے ہوئے ہیں۔ غزل کا اختصار بجائے خود اس کی دلفریبی اور مقبولیت کا ضامن ہے اور مضامین کی خوبی اس کی دل کشی میں مزید اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ اس کے جذبات احساسات اور کیفیات مکان اور زمانے کی قید سے آزاد ہیں اور نہ غزل ملک، مذہب اور قوم کی حدود کی پابند ہے۔

شاعری کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ ان جذبات اور سرور آفرین تاثرات

پیش کرتی ہے جس میں حسن، خوشبو، دل آویزی، نغمہ نوحہ ابتدائے آفرینش سے انسان اپنے ساتھ لایا ہے اور جن کے اظہار سے ہم قاصر ہیں ان کو مناسب اور مختصر الفاظ میں ادا کر سکیں یہ غزل ہی کا حصّہ ہے۔ خسرو سے قبل متعدد فارسی غزل گوئی کے اُستاد مانے گیے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے۔ لیکن ان میں اگر کوئی کمی تھی تو وہ یہ کہ ان کے کلام میں سوز و گداز نہ تھا جو انسان کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کر دیے احساسات میں جان ڈال دے۔ اور اس کو بیخود اور وارفتہ بنا سکے۔

اس کمزوری سے سعدی کے ہم وطن شاعر حافظ شیرازی نے فائدہ اٹھایا اور غزل گوئی میں وہ نام پیدا کیا کہ سعدی کی شہرت ماند پڑ گئی۔

ہندوستان میں حافظ سے پہلے خسرو کو بھی غزل کی اس کمی کو پورا احساس تھا لیکن خسرو کی جدت پسند طبیعت نے سعدی کی اُستادی سے تو انکار نہیں کیا مگر ان کی شاگردی پر بھی اکتفا نہیں کی اور غزل میں اپنے لیے ایک نیا مسلک، ایک انوکھی روش ایک جدید اسلوب اختیار کیا۔ جس کی کچھ جھلک حافظ میں بھی موجود ہے اور جس کا زیادہ پرتو خسرو کے بعد کے شعرا مثلاً جامی۔ نظیری اور غالب کی غزلوں میں زیادہ نمایاں ہے۔

امیر خسرو کا کلام عام طور پر قوال شروع میں اسی وجہ سے گاتے ہیں کہ محفل کا رنگ جم جائے اور دلوں میں جوش اور جذبہ پیدا ہو جائے۔

تاریخوں میں اس قسم کے واقعات ملتے ہیں کہ محفل سماع میں خسرو کا کلام سن کر جوش اور جذبہ کی بے پایاں فراوانی کی تاب نہ لا کر بعض تو جان سے گذر گئے۔ چنانچہ جہانگیر نے تزک جہانگیری کے صفحہ ۱۶۹ میں لکھا ہے کہ اس کے

عہد کے مشہور مہر کن ملا علی احمد نے قوالوں سے خسرو کی غزل کا یہ شعر سنا اور جان پرواز کر گئی ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے
من قبلہ راست کردم بر طرف کج کلاہے

بہرحال انہی لفظی اور معنوی خوبیوں کی بناء پر خسرو کی غزلوں کی جلد شہرت ہو گئی۔ جامی بہارستان میں لکھتے ہیں کہ خسرو کی غزلیں ان خیالات اور تصورات کی آئینہ دار ہیں جن کی عاشقانِ صادق اور خدا پرست اپنے اپنے مذاق کے مطابق تاویل کرتے ہیں عام طور پر مقبول ہیں۔ اس سلسلہ میں اس کا اعادہ بے جا نہ ہوگا کہ مرزا بایسنغر کے زمانے میں بھی خسرو کے کلام کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام ایک شاعر سیفی کے سپرد کیا گیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ یہ انتخاب اسی زمانے کا ہو جس کی چند چیدہ چیدہ غزلیات یہ ہیں۔

غزل

اے چہرہ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری — ہر چند وصفت میکنم در حسن زاں زیباتری
ہرگز نہ آید در نظر نقشے ز رویت خوب تر — شمسی ندانم یا قمر حوری نہ دانم یا پری
تو از پری چابک تری از برگ گل نازک تری — وز ہر چہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری
آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام — بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری
عالم ہمہ یغمائے تو خلقے جہاں شیدائے تو — اے نرگسِ رعنائے تو آوردہ رسم کافری
اے راحت و آرام جاں باقدِ تو سرے رواں — زیباں مرو دامن کشاں کارام جانم می بری

...رم تماشا کردیٔ آہنگ صحرا کردیٔ — جان و دل ما بروی اینست رسم دلبری

صورت‌گرے نقاش چیں تو صورت یارم ببیں — یا نقش کش تو ایں چنیں یا ترک کن صورتگری

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی — تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

ابر می بارد و من می شوم از یار جدا — چوں کنم دل بہ چنیں وقت ز دلدار جدا

ابر باراں و من و یار ستادہ بوداع — من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

سبزہ نوخیز و ہوا خرم و بستاں سرسبز — بلبل روئے سیہ ماند ز گلزار جدا

اے مرا در تہ ہر بند ز زلفت بندی — چہ کنی بند ز بندم ہمہ یک بار جدا

دیدہ ام بہر تو خونبار شد اے مردم چشم — مردمی کن مشو از دیدۂ خونبار جدا

نعمت دیدہ نہ خواہم کہ بماند پس ازیں — ماندہ چوں دیدہ ازاں نعمت دیدار جدا

دیدہ صد رخنہ شد از تیر تو خاکی ز رہ‌ست — زود برگیر و بچگاں رخنہ پئے نار جدا

می دہم جاں مرو از من دگرت باور نیست — پیش ازاں خواہی تو بستاں و نگہدار جدا

حسن تو دیر نماند چو ز خسرو رفتی
گل بسے دیر نماند چو شد از یار جدا

چہ بلاست از دو چشمت نظرے نیاز کردن — مژہ را گشادہ دادن در فتنہ باز کردن

چو کمال صنع بیچوں ز جمال تست پیدا — نتواں حدیث عشقت ز رہے مجاز کردن

همه خواب مردمان شد بدو دیده تیغ یارب   ز کجاست گشت شیرین حرکات ناز کردن

چه خوش است با تو خلوت که دمد سرشک خونی   ز خراش دل گواهی ز زباں دراز کردن

تو به خسپ خوش که ما را ز غمش چو شمع سوزاں   همه روز زنده بودن همه شب گداز کردن

ز جفات دل نهادم مکن آنچه می توانی   چه کنم نه می توانم ز تو احتراز کردن

به هوس فدا کنم جاں بدرت که نیست عاری   به سر سبکتگین را هوس ایاز کردن

صف عاشقاں ست اینجا مده اے فقیه انگشت   که به شهرت پرستاں نه تواں نماز کردن

چه بود متاع خسرو که کند نثار جاناں
مگسے چه طمع راند بدهان باز کردن

کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست   هر رگ من تار گشته حاجت زنار نیست

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب   درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

ابر را با دیدهٔ گریاں من نسبت مکن   نسبت یارند کے بارد دل خونبار نیست

شاد باش اے دل که فردا بر سر بازار عشق   مژدهٔ قتل است گرچه وعدهٔ دیدار نیست

خلق می گوید که خسرو بت پرستی میکند
آرے آرے میکنم با خلق عالم کار نیست

گفتم که روشن از قمر گفتا که رخسار منست   گفتم که شیریں از شکر گفتا که گفتار منست

گفتم طریق عاشقاں گفتا که درد هجر من   گفتم علاج زندگی گفتا که دیدار منست

گفتم بهارے با خزاں گفتا که رشک حسن من   گفتم خجالت کبک را گفتا که رفتار منست

گفتم که حوری یا پری گفتا که من شاهِ جهاں
گفتم که خسرو ناتواں گفتا پرستارِ منست

خبرم رسیده امشب که نگار خواهی آمد
سر من فدائے راهے که سوار خواهی آمد

بلبم رسیده جانم تو بیا که زنده مانم
پس ازاں که من نه مانم بچه کار خواهی آمد

کششے که عشق دارد نه گذارد بدیساں
به جنازه گر نه آئی به مزار خواهی آمد

همه آهوان صحرا سرِ خود نهاده بر کف
به امید انکه روزے به شکار خواهی آمد

بیک آمدن ربودی دل و دین و صبر خسرو
چه شود اگر بدیساں دو سه بار خواهی آمد

جان ز تن بردی و در جانی هنوز
دردها دادی و درمانی هنوز

آشکارا سینه را بشگافتی
همچناں در سینه پنهانی هنوز

ملک دل کردی خراب از تیغ ناز
کاندریں ویرانه سلطانی هنوز

خون کس یارب نه گیرد دامنت
گرچه در خوناں بپیمانی هنوز

هر دو عالم قیمت خود گفتئ
نرخ بالا کن که ارزانی هنوز

پیری و شاید پرستی هم خوش است
خسروا تا کے پریشانی هنوز

مرا دوش گوئی بخواب آمدی
بکف کردہ جامِ شراب آمدی

Marfat.com

کجا بودی اے اخترِ نیک فال — کہ مہ رفتی و آفتاب آمدی
بدل بر و نم آمدی عیب نیست — کہ مستی بہ بوے کباب آمدی
چو جستند در گریۂ من سبب — تو بودی کہ بر روئے کار آمدی
ز حیرت بخوابِ اجل می روم — کہ پندار ایں تا بخواب آمدی
شبِ داشتم تیرہ از روز بد
شبم خوش کہ چوں ماہتاب آمدی

بخوبی ہمچو مے تابندہ باشی — بملک دل بری پائندہ باشی
من درویش را کشتی بہ غمزہ — کرم کردی الٰہی زندہ باشی
جفا کم کن کہ فردا روزِ محشر — بروئے عاشقاں شرمندہ باشی
ز قید دو جہاں آزاد باشم — اگر تو ہم نشین بر بندہ باشی
بہ رندی و لبشوخی ہمچو خسرو
ہزاراں خانماں بر کندہ باشی

نہ می دانم چہ منزل بود شب جائیکہ من بودم — بہر سو رقص بسمل بود شب جائے کہ من بودم
پری پیکر نگار سرو قدے لالہ رخسارے — سراپا آفت دل بود شب جائے کہ من بودم
رقیباں گوش بر آواز او در ناز من ترساں — سخن گفتن چہ مشکل بود شب جائیکہ من بودم
خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

Marfat.com

مثنوی

نہ شاید بادشارا مست بودن — نہ در عشق ہوس پیوست بودن
بود شہ پاسبانِ خلق پیوست — خطا باشد کہ باشد پاسبان مست

بادشاہوں کو آپ نصیحت فرماتے ہیں کہ ان کو شراب کے نشہ میں مست نہ ہونا چاہیے اور نہ عشق کی ہوس کی طرف مائل ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ مخلوق کا چوکیدار ہے پاسبان اگر مست ہو جائے تو حفاظت کون کرے۔

ایک روز دھنیا (روئی دھننے والا) کی دوکان کے سامنے سے امیر گذر رہے تھے۔ ہمراہی نے آپ سے پوچھا کہ جس دھنئے کو دیکھو ایک ہی انداز پر روئی دھنتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سب ایک ہی استاد کے شاگرد ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر استاد نے سکھلایا ہے تو یہ کمال ہے کہ حرکت اور تال سب کی یکساں ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس تال کو الفاظ میں کیونکر لایا جا سکتا ہے۔ آپ نے جواب دیا

در پئے جاناں جاں ہم رفت — ایں ہم رفت آں ہم رفت
رفت رفت جاں ہم رفت — ایں ہم آں ہم رفتم آں ہم ایں ہم رفت
واں ہم رفت رفتن دہ
دہ رفتن دہ رف رف رفتن رفتن دہ

امیر کے زمانے کے شعرائے خاص

امیر حسن منجری دہلوی

امیر خسرو کے ہم عصر اور خاص احباب میں سے تھے۔ بادشاہوں کے ساتھ اکثر لڑائیوں میں رہے۔ اصلی نام نجم الدین تخلص حسن اور سادات عظام دہلی سے تھے۔ اصلی وطن اور جائے پیدائش ضلع بدایوں کی تھی۔ لیکن ساری عمر دہلی میں گذری۔ ان کا شعر ہے ؎

پرورودہ فضل ایزدش ارشاد غیبی مرشدش
بودہ بدایوں مولدش دہلی ست منشا داشتہ

خسرو سے ملاقات کی ابتدا کے بارے میں تذکرہ مرآۃ الخیال (فارسی) میں بحوالہ نجم الدین علا منجری تاریخ ہند کے حوالہ سے اس طرح پر تحریر ہے کہ ایک روز امیر خسرو مع دیگر چند ہمراہی بازار سے گذرے۔ خواجہ حسن اس وقت نانبائی کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حسن خوبی ظاہری اور باطنی میں کمال رکھتے تھے۔ امیر نے ان کو دیکھا تو ان میں قابلیت سلوک پائی۔ قریب آن کر سوال کیا کہ میاں نان بائی کس حساب سے فروخت کرتے ہو۔ جواب یہ ہونا چاہیئے تھا کہ میں نانبائی نہیں ہوں۔ لیکن ازراہِ ظرافت انھوں نے جواب دیا کہ میں نان کو ترازو کے پلہ میں رکھ دیتا ہوں اور خریدار سے کہتا ہوں کہ دوسرے پلہ میں اس کی برابر سونا رکھو جب وزن دونوں کا برابر ہو جاتا ہے تو خریدار کے حوالہ کر دیتا ہوں۔ امیر نے پوچھا کہ اگر خریدار مفلس ہو؟ حسن نے جواب دیا کہ میں ایسے خریدار سے درد اور نیاز کی فرمائش کرتا ہوں۔ وہی اس کی قیمت ہوتی ہے۔ یہ جواب سن کر امیر کو تعجب ہوا

Marfat.com

اور پیر سے جاکر ماجرا بیان کیا۔ شیخ سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن حسن نے جو جال پھانسنے کے لیے خسرو پر پھینکا تھا۔ اس میں وہ خود ہی پھنس کر رہ گئے۔ بالآخر کچھ عرصہ کے بعد خود حسن ہی خسرو سے آن کر ملے اور تائب ہوئے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مردان خدا کی نظر بے اثر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حسن کہتے ہیں ؎

آنرا کہ بدانیم کہ او قابلِ عشق است
رمزے بنمائیم و دلش را بہ ربائیم

حضرت امیر خسرو اور حسن دونوں میدانِ سخن وری میں توام تھے۔ امیر سے ملاقات ہونے کے بعد علوم اور کمال کی تحصیل اور تکمیل میں مصروف ہو گئے اور تھوڑی ہی مدت میں قابلیت علمی کے علاوہ اخلاق، عادات۔ اوضاع، اطوار اور دیگر اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ سے متصف ہوئے۔

مارہروی نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے محمد تغلق کے عہد تک ہر بادشاہ کی ملازمت اور مصاحبت میں رہے اور سب ہی نے ان کی قدر و منزلت کی اور اعزاز و اکرام سے سرفراز فرمایا۔ ملا قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت کے واسطے پرانی دہلی تشریف لے گئے۔ جب حضرت خواجہ کی زیارت سے فارغ ہو کر تالاب شمسی کے کنارے پہنچے تو اس مقام پر امیر حسن جن کا سن اس وقت پچاس سال سے زیادہ تھا اور حضرت سلطان المشائخ سے رابطہ اور مصاحبت رکھتے تھے مع چند ملنے والوں کے مے نوشی میں مصروف تھے۔ جب حضرت کو دیکھا تو آپ کے روبرو آئے اور آپ نے یہ اشعار پڑھے

سال ہا باشد کہ ما ہم صحبتیم   گر ز صحبت ہا اثر بودے کجاست
زہد تاں عشق از دلِ ما کم نہ کرد   فسق ما یاں بہتر از زہدِ شماست

حضرت سلطان المشائخ نے ان اشعار کو سن کر ارشاد فرمایا کہ "در صحبتِ مارا اثر ہا ست انشاءاللہ روزے بود۔"

اوپر کے شعر کا مطلب یہ ہے کہ مجھے برسوں سے آپ کی صحبت حاصل ہے۔ اگر صحبت میں کچھ اثر ہوتا تو مجھ پر اس کا اثر کیوں نہیں ہے۔ حضرت نے اس کا یہ جواب دیا کہ میری صحبت میں ضرور اثر ہے اور وہ انشاءاللہ ظاہر ہو جائے گا۔

یہ جواب جادو کی طرح ان کے دل پر اثر کر گیا فوراً سر برہنہ کر کے قدموں پر رکھ دیا اور خلاف شرع باتوں سے تائب ہو کر مع اپنے رفقائے صحبت مشرف بہ بیعت ہوئے۔ اور ایسا مرتبہ پایا کہ محبوباں اور مقبولان حضرت سے گزر کر زمرۂ اولیاء اللہ میں شامل ہو گئے۔

تائب ہونے کے بعد آپ نے اپنی غزل میں یہ شعر کہا تھا

اے حسن توبہ آنگہے کردی
کہ ترا طاقت گناہ نماند

یعنی تُو نے پیر کے سامنے ایسی توبہ کی تھی کہ تجھے گناہ کرنے کی قدرت ہی باقی نہ رہی۔ مولانا جامی نفحات الانس میں اور مولانا ضیاء الدین برنی تاریخ فرشتہ میں لکھتے رہیں کہ مکارم اخلاق مجاہد، اوصاف، لطافت، ظرافت، قناعت، عقل، فہم روش صوفیہ، پاکیزگی، خوش اعتقادی، شگفتہ روی اور تہذیب میں امیر حسن کی مثال نہ تھی۔

Marfat.com

آپ کی تصنیف اور تالیف کی بابت برنی کا خیال ہے کہ علاوہ دیوان اور مثنویات کے نظم و نثر میں بھی ان کی تصانیف ہیں اور چونکہ وہ نہایت روانی سے غزلیں موزوں کرتے تھے۔ اس لیے خاص و عام ان کو سعدی ہند کہتے تھے

مولانا جامی فرماتے ہیں کہ غزل میں ان کا رنگ خاص ہے۔ انھوں نے ایسے تنگ قوافی اور عجیب و غریب ردیفوں میں غزلیں کہی ہیں اور ایسی خوش رنگ بحثیں اختیار کی ہیں کہ بادی النظر میں اشعار آسان معلوم ہوتے ہیں لیکن کہنے میں بہت دشوار ہیں اور اسی وجہ سے سہل الامتنع کے نام سے مشہور ہیں

امیر حسن تمام عمر مجرد رہے اور جس زمانے میں کہ محمد شاہ تغلق نے دہلی کی بجائے دولت آباد بسانا شروع کیا یہ بھی مؤرخ دکن کی زیارت کی آرزو میں دولت آباد تشریف لے گئے اور وہیں ۷۳۶ھ مطابق ۱۳۳۵ء میں وفات پائی اور بالا گھاٹ کے مقام پر دفن ہوئے۔

صاحب منتخب التواریخ لکھتے ہیں کہ قبر ان کی دولت آباد میں ایک مشہور مقام پر ہے جہاں زیارت کو لوگ جاتے ہیں۔

شہنشاہ اکبر کے عہد میں ملک الشعراء فیضی جب دکن گئے تھے۔ تو انھوں نے خاندیش سے بادشاہ کے نام ایک طویل عرضداشت بھیجی تھی۔ اس میں لکھتے ہیں کہ "تربت حسن دہلوی در دولت آباد است غالباً ہمراہ سلطان علاؤالدین آمدہ ایں جا عمر مستعار بہ آخر رسانیدہ بخاطر رسید کہ دیوان او را کشودہ یک غزل تبرکاً و تیمناً متمتع نمودہ شود اتفاقاً ایں غزل آمد

باز نوائے بلبلان عشق تو یاد می دہد
ہر کہ بعشق نیست خوش عمر بباد می دہد

Marfat.com

فیضی نے اس غزل کے تتبع میں جو غزل اس موقع پر کہی تھی اس کا مطلع اور مقطع یہ ہے ؎

صبح کے ترک است من شیشہ کشادی دہد　　عقل بخاک میدہد صبر بباد می دہد
فیضی نامراد من از غم دہر غم مخور　　زانکہ مراد اہل دل شاہ مراد می دہد

اس فاضل باکمال کی تصنیف تالیف میں سوائے فوائد الفوائد کے اور کوئی بھی یادگار باقی نہیں۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ اور ناپید تھا۔ لیکن تمکین کاظمی صاحب سلطان شاہی حیدر آباد دکن نے مجھے لکھا ہے کہ تقریباً ۱۹۴۰ء میں مہاراجہ سرکشن پرشاد صدر اعظم دکن نے مسعود علی محوی کے ذریعہ سے ان کے دیوان کو حیدر آباد میں طبع کرایا ہے۔ فوائد الفوائد میں حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات ۳ ر ماہِ شعبان ۷۰۷ھ لغایت ۱۱ ر شعبان ۷۲۲ھ جمع کیے ہیں اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

صاحب امیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ امیر فرمایا کرتے تھے کہ کاش فوائد الفوائد مجھ سے منسوب ہوتی۔ اور میری تمام تصانیف امیر حسن کے نام ہوتیں۔ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ امیر حسن شعر گوئی میں امیر خسرو کا اتباع کرتے تھے۔ ان کا کلام بہت شیریں ہے۔ ۹۵۷ھ میں ان کا دیوان مقبول خلائق تھا۔ حسن خود فرماتے ہیں ؎

حسن گل ز گلستان سعدی آورد ست
کہ اہل معنی گلچین آں گلستانند

یعنی حسن یہ پھول سعدی کے ہی باغ سے تو لایا ہے اور اس باغ کے دلدادہ

Marfat.com

میرے اشعار کے معانی اور مطالب خوب سمجھتے ہوں گے۔ اپنے اور امیر خسرو کے کلام کی نسبت فرماتے ہیں کہ خسرو اپنے کرم اور عنایت سے میرے کلام کی قدر کرتے ہیں۔ اگرچہ میرا کلام خسرو جیسا نہیں ہے۔ لیکن چونکہ وہ میرا کہا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے اُن کو پسند ہے ؎

خسرو از راہ کرم بپذیرد　　آنچہ من بندہ حسن گوئم
سخنم چوں سخن خسرو یک نیست　　سخن اینست کہ من می گوئم

ڈاکٹر سعید احمد مارہروی نے مختلف تذکروں سے امیر حسن کا تھوڑا سا کلام انتخاب کرکے پیش کیا ہے۔

غزل

ساقیا می دہ کہ ابر خاست از ساغر سفید　　بہر را سرسبز شد صد برگ را چادر سفید
بادہ در جام بلوریں دہ مرا گر می دہی　　خواب می آرد شراب لعل در ساغر سفید
ابر چون چشم زلیخا بہر یوسف ژالہ بار　　ژالہا چوں دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید
عنکبوت خار را گفتم کہ ایں پردہ چہ بود　　گفت مہمان عزیز آید کہ کردم در سفید

اے حسن اغیار را ہرگز نہ باشد طبع راست
راست ہست ایں زاغ را ہرگز نہ باشد پر سفید

غزل

نیست چوں رویت بہ گلستان دگر　　روئے دگر باشد و بستانِ دگر

Marfat.com

یار چہ سخت است کہ دل کافر است | سخت دگر باشد و سندان دگر
از تپ عشقت جگرم پختہ شد | پختہ دگر باشد و بریان دگر
غمزۂ خونخوار تو خونم بریخت | غمزہ دگر باشد و پیکان دگر
گفت اگر عاشقے ماٹی بھر | عشق دگر باشد و قربان دگر

چشمِ حسن بین و دلا موج زن
موج دگر باشد و طوفان دگر

رباعی

یک حرف تو جل صباح عالم را نور | یک حرف تو ہشت جلد را مایہ حور
حرفِ سیمین چہل دسے راد ستور | زاں چار چہار رکن عالمِ معمور

ملک سعید الدین منتقی

یہ شخص سلطان جلال الدین خلجی کے مصاحبوں میں سے تھا۔ ابتدائی زمانہ قلندری میں بسر ہوا۔ بادشاہ نے جامۂ قلندری سے نکال کر امیر کبیر بنا دیا تھا۔ یہ اپنے حسد کے باعث اپنے کلام کو امیر خسرو کے کلام پر ترجیح دیتا تھا۔ افسوس ہے اس کا کلام اب ناپید ہے۔

عبید اللہ

غیاث الدین تغلق کے زمانے میں یہ صاحب ایران سے ہندوستان

Marfat.com

یا تھا۔ شہزادہ الغ خان عرف محمد تغلق کی ملازمت میں نہایت اعزاز اور اکرام سے بسر ہوئی۔ لیکن نہایت مغرور، بد دماغ اور بدنیت شخص تھا۔ اکثر علوم میں مہارت رکھتا تھا اور حسد کے باعث چاند پر خاک ڈالنا چاہتا تھا اور امیر کا مدِ مقابل بننے کا دعویٰ کرتا تھا۔ طبیعت بیہودہ گوئی پر مائل تھی۔ خسرو کے بارے میں اس کا یہ شعر مشہور ہے ؎

غلط افتاد خسرو را ز خامی
کہ سگ باپخت در دیگِ نظامی

۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء جبکہ شہزادہ الغ خان قلعہ ورنگل کا محاصرہ کر رہا تھا کسی وجہ سے دہلی کی ڈاک میں دیر ہوئی۔ عبید نے مفسدہ پردازی کی وجہ سے یہ خبر لشکر میں اڑا دی کہ بادشاہ غیاث الدین کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر سے تمام لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ شہزادے کو جب علم ہوا تو عبید کی طلبی ہوئی عبید اللہ مع چند دیگر سرداران لشکر فرار ہو گیا۔ لیکن شہزادے نے بہت جلد گرفتار کرا کر دہلی بھیج دیا۔ جہاں بادشاہ نے اس کو قتل کرا دیا۔

عبید کے نام سے یہ غزل اور رباعی مشہور ہے۔

رُباعی

اے خواجہ بکن تا بتوانی طلبِ علم — کندر طلبِ رالبطہ امروز بمانی
او مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی

غزل

رسد بہ پستیٔ رویت جمال و مہ بکمال — بروز نکہت بویت صبا خبر بہ شمال
زند بہ تیر نظر غمزہ ات نشانہ مہر — کشد بگوشہ چشم ابرویت کمال ہلال
توئی کہ آب حیات از لبت بود سائل — خوشا کسے کہ کند با لبت جواب سوال
حرام گشتہ بغیر از عبید در عشقت — بشاعراں تخیل نمائیے سحر ہلال

قاضی مغیث ہانسوی

سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں یہ عالم اور فاضل شمار ہوتے تھے انھوں نے ایک ایسی غزل لکھی تھی کہ جو انیس ۱۹ بحروں میں پڑھی جاتی تھی اس کا مطلع یہ ہے ؎

دو در گوش و قد خوش دو خد خوب و خط تر
قری تو قری پری و پرے دبا کرد فر

اس کے علاوہ امیر خسرو کے ہمعصر اور بھی اکثر شاعر تھے مثلاً تاج الدین۔ عراقی۔ موید جرجامی۔ موید دیوانہ۔ امیر ارسلان کلامی اور اختیار الدین وغیرہ لیکن آفتاب اور چراغ کی روشنی میں جو فرق ہوتا ہے وہی امیر خسرو اور ان لوگوں کے کلام میں تھا اسی وجہ سے نہ ان کو فروغ حاصل تھا اور نہ ان کا کلام ملتا ہے۔ اس زمانے کے دیگر شعرا کے حالات اور ناموں سے مؤرخ اور تذکرہ نویس بھی خاموش رہیں۔

Marfat.com

باب ۶

تصانیف امیر خسرو

امیر کے حالات کے سلسلہ میں جو اہمیت دیگر واقعات کو حاصل ہے ان میں سب سے زیادہ امیر کی تصانیف ہیں۔ جو تصانیف ان کی ناپید ہیں وہ تو زمانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب ان کی تصانیف کا کس قدر حصّہ موجود ہے اور کہاں ہے؟

تصانیف کا صحیح اندازہ لگانا تو مشکل ہے۔ کیونکہ مختلف تذکرہ نویسوں نے مختلف طور پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً امیر کا ہم عصر مؤرخ برنی تو صرف یہ کہتا ہے کہ ان کی تصانیف اتنی تھیں کہ ان سے ایک کتب خانہ بن سکتا تھا۔ سیرۃ الاولیاء کے مصنف نے بھی یہی لکھا ہے۔ جامی صرف اسی قدر کہتے ہیں کہ ان کی تصانیف کافی تھیں اور ان کے اندازہ کے مطابق ثنا نوے ہیں۔ ایک اور مصنف امین رازی نے اس تعداد میں اور اضافہ کر کے مجموعی تعداد ایک سو سے زیادہ بتلائی ہے۔

انہی بیانات کو پیش نظر رکھ کر نواب محمد اسحٰق خان مرحوم رئیس میرٹھ نے مولوی سید حسن بلگرامی کو عماد الملک کے مشورہ سے ۱۹۱۵ء میں

Marfat.com

امیر خسرو کی تصانیف کی تلاش پر مامور کیا تھا اور یہ خیال تھا کہ ان کی جس قدر کتابیں دستیاب ہو سکیں ان کو جمع کیا جائے اور تصحیح اور ترتیب کے ساتھ شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے نواب مرحوم نے یورپ ترکی، مصر اور ہندوستان کے کتب خانوں کی فہرست کو مطالعہ کیا اور ہندوستان بھر میں اشتہارات کے ذریعہ سے پتہ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود انھیں صرف مندرجہ ذیل کتابوں کے نام معلوم ہو سکے۔

تحفتہ الصفر۔ وسط الحیات۔ دیباچہ غرۃ الکمال۔ دیوان غرۃ الکمال۔ بقیہ نعتیہ۔ مطلع الانوار۔ شیرین و خسرو۔ مجنوں و لیلےٰ۔ ہشت بہشت۔ مجموعہ مثنویات۔ آئینہ سکندری۔ قران السعدین۔ خضر خان یا عشقیہ۔ نہ سپہر۔ مفتاح الفتوح۔ مجموعہ رباعیات۔ کلیات۔ قصیدہ امیر خسرو مشتمل بر داستان۔ شاہنامہ اعجاز خسروی۔ انشائے خسرو احوال امیر خسرو۔ نہایت الکمال۔ خزائن الفتوح۔ نصاب بدیع العجائب۔ نصاب مثلث۔ افضل الفوائد۔ خالق باری۔ قصہ چہار درویش۔ باز نامہ۔ فرس نامہ یا اسپ نامہ۔ بحر البحیر۔ مراۃ الصفا۔ شہر آشوب یا مجموعہ رباعیات۔ تغلق نامہ۔ تاج الفتوح۔ تاریخ دہلی۔ مناقب ہند۔ حالات کنہیا و کرشن۔ مکتوبات امیر خسرو۔ جواہر البحر۔ مقالہ تاریخ الخلفاء اواحت المجنین۔ رسالہ ابیات بحث خسرو و جامی۔ شگرف بیان نژاد ہندی۔ مناجات خسرو۔

ان کتابوں کی فہرست لکھنے کے بعد نواب مرحوم لکھتے ہیں کہ :-

Marfat.com

بازنامہ - اسپ نامہ - بحر البعیز - مراۃ الصفا - جن کے نام اس فہرست میں درج ہیں غالباً مستقل تصانیف نہیں ہیں - بلکہ خسرو کی بعض تصانیف کا جزو ہیں - شہر آشوب کا ایک قلمی نسخہ ان کو لکھنؤ میں مل گیا -

قصیدہ امیر خسرو مشتمل بر داستان شاہنامہ - انشائے خسرو - قصہ چہار درویش فارسی کی بابت یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خسرو کی تصانیف نہیں ہیں خالق باری کی بابت بھی شک ہے - اس طرح پر اکیس تصانیف ایسی باقی رہ جاتی ہیں جن کی بابت یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ خسرو کی ہیں اور یہ کتابیں اب بھی موجود ہیں -

برکش میوزیم میں ان اکیس میں سے صرف چار کتابیں یعنی نصاب بدیع العجائب - نصاب مثلث - شہر آشوب اور تغلق نامہ نہیں ہیں باقی سب موجود ہیں - اس فہرست کو مرتب کرنے کے بعد نواب مرحوم نے یہ نتیجہ نکالا کہ خسرو کی زیادہ تر تصانیف تلف ہو چکی ہیں -

ڈاکٹر محمد سعید احمد مارہروی نے بھی حیات خسرو لکھنے کے سلسلہ میں ان کی کتابوں کی تلاش شروع کی تھی - سوائے ان دو تحقیقاتوں کے اس سلسلہ میں اور کسی کوشش کا حال کسی تذکرہ میں نہیں پایا جاتا -

مثنوی قران السعدین

یہ مثنوی امیر نے سلطان معز الدین کیقباد کی فرمائش پر اس کے اور اس کے باپ بغرا خان کی ملاقات کے حالات کے بارے میں لکھی ہے اور آج جو کتابیں ان کی موجود ہیں ان میں سب سے پہلی تصنیف یہی ہے - پروفیسر کاویل

نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے جرنل سنہ ۱۸۶۰ء میں اس کتاب کے بطور نمونہ چند تمثیلیں تحریر کی ہیں۔ جس زمانے کا حال اس واقعہ میں بیان کیا گیا ہے اس کی مثال بجنسہٖ ان گیتوں کی ہے جو ٹنلیس ٹینی سن کی کتاب نیبیسز کے حصے کے درمیان میں لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں کتاب میں جدّت کا ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔
چونکہ خسرو اُن معرکوں میں خود شریک رہے ہیں اس وجہ سے رزم بزم کی غزلیات نہایت پُر لطف ہیں۔

یہ مثنوی صرف تین ماہ کے عرصہ میں یعنی رمضان سنہ ۱۲۸۸ھ لغایت سنہ ۱۲۸۹ھ میں منظوم کی ہے۔ اس میں تین ہزار نو سو پچاس اشعار ہیں بطورِ نمونہ چند شعر یہ ہیں ممکن ہے کہ مدت غلط ہو۔

دہلی کی تعریف

حضرتِ دہلی کنفِ دین داد — جنت عدن است کہ آباد باد
ہست چو ذاتِ عدم اندر صفات — خرسہا اللہ عن الخا شہاب
نام بلندش رہِ بالا گرفت — تا بختن شد رہ بیغما گرفت
گر شنود در قصۂ ایں بوستان — مکّہ شنود طائف ہندوستان

مطلع انوار، شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں، آئینہ سکندری، ہشت بہشت پنج گنج خسرو، یہ سب امیر خسرو کی مثنویاں ہیں۔
شیخ نظامی گنجوی نے جو استاد الآفاق اور سرتاج مثنوی گویاں تھے پانچ سو مثنویاں لکھی ہیں اور اس فصاحت بلاغت سے کہ ان کو اس زمانے

کے لوگوں نے خدائے سخن کا لقب دیا تھا۔ ایک خمسہ مولانا نظامی کا ۵۹۷ھ مطابق ۱۲۰۰ء میں مکمل ہوا تھا جو مشہور اور مقبول خلائق ہوا۔ اس کے بعد تقریباً سو سال تک کسی فاضل شاعر کی ہمت نہ ہوئی کہ اس کے جواب میں قلم اٹھاتا۔ حضرت امیر نے سب سے پہلے قلم اٹھایا اور تین سال کے عرصہ میں یعنی ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۱ء میں اس کے جواب میں اپنا پنج گنج ختم کر کے اس کو سلطان علاؤالدین خلجی کے نام سے موسوم کیا۔ امیر نے خمسہ نظامی کے جواب میں اپنے پنج گنج کو اس طرح پر ترتیب دیا ہے۔

مخزن اسرار کے جواب میں	———	مطلع انوار
خسرو شیریں کے جواب میں	———	شیریں خسرو
لیلےٰ مجنوں کے جواب میں	———	لیلےٰ مجنوں
ہفت پیکر کے جواب میں	———	ہشت بہشت
سکندر نامہ کے جواب میں	———	آئینہ سکندری

حضرت امیر ہشت بہشت میں فرماتے ہیں:

وادی اول کہ تو مبدء دو آر — روشنامی ز مطلع الانوار
کردی آنگاہ با نشاط تمام — شہر شیریں و خسرو اندر جام
باز در عالمِ خرد مندی — شور لیلےٰ و مجنوں افگندی
پس دہاں پر در دہاں کردی — شرح راز سکندری کردی
زین زماں کز جواہر انجم — می نگاری صحیفۂ پنجم

دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امیر کے خمسہ پنج گنج

میں انتیس ہزار ۲۹۰۰۰ اور خمسہ مولانا نظامی میں اکیس ہزار ۲۱۰۰۰ اشعار ہیں

مطلع الانوار

اس میں حضرت امیر نے اخلاق اور تصوف کے خزانے میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے نادر اور نایاب نورانی گوہر اس خوش نمائی سے سجائے ہیں کہ اگر اس کو مطلع انوارِ الٰہی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ گویا یہ کتاب معجزہ خسروی ہے۔ اس کو اس جادو نگار نے صرف چودہ دن کی قلیل مدت میں تمام کر کے اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بیس مقالے اور تین ہزار تین سو بیس اشعار ہیں۔ اگر یہ مدت صحیح ہے تو حیرت انگیز ہے۔

امیر علی کاتب ہروی جو نستعلیق کے امام سوم کہلاتے ہیں ان کی لکھی ہوئی یہ کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

قطعہ تاریخ

سال کہ از چرخ کہن گشت بود — از پسِ شش صد و نود و ہشت بود
چرخ کہ خورشید جوابش نوشت — مطلع انوار خطابش نوشت

مثنوی خسرو شیریں

یہ کتاب معدوم ہے۔ ملا عبد القادر بدایونی فیضی کی مثنوی فیضی نل و دمن کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ ایسی مثنوی اس تین سو برس میں امیر خسرو

Marfat.com

کی مثنوی "خسرو شیریں" کے بعد نہیں لکھی گئی۔

لیلےٰ مجنوں

اس منظوم مشہور قصے میں دو ہزار چھ سو ساٹھ اشعار ہیں اور ہر شعر سے شیریں کلامی ٹپکتی ہے جو ۶۹۸ھ مطابق ۱۰۹۸ء میں مکمل ہو گئی تھی یہ مثنوی بھی چھپ چکی ہے۔ البتہ آئینہ سکندری یا سکندر نامہ یہ کتاب ناپید ہے۔

ہشت بہشت

پنج گنج کا پانچواں اور آخری حصہ ہشت بہشت ہے۔ اس میں اخلاق، پند و نصیحت کے نادر اور نایاب نکات موجود ہیں جو بہرام گور شاہ ایران کے حسن معاشرت، عیش و عشرت، عشق و محبت کے دلچسپ حالات افسانوں کے پیرایہ میں نہایت سادہ اور سلیس زبان میں بیان کیے گئے ہیں اس میں تین ہزار تین سو پچاس اشعار ہیں جو ۷۰۱ھ مطابق ۱۳۰۱ء کی تصنیف ہے۔

خضر نامہ

خضر خان سلطان جلال الدین خلجی کا بڑا بیٹا تھا اور دول دیوی عرف دول رانی اس کی معشوقہ راجہ گجرات کی بیٹی تھی۔ خضر خان امیر خسرو کا

Marfat.com

پیر بھائی تھا۔ اس نے امیر سے اپنے عشق کے قصّہ کو نظم کرنے کی فرمائش کی تھی اس میں لکھا ہے کہ جس وقت دول دیوی گجرات سے اپنی ماں کنول دیوی کے پاس آئی اس وقت اس کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ بادشاہ خضر خان سے اس کی شادی کرنا چاہتا تھا۔ کملا دیبی نے بھی جو بادشاہ کے حرم میں تھی اس رائے سے اتفاق کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ خضر خان کو اس وجہ سے چاہتی تھی کہ وہ اس کے بھائی کا ہم شکل تھا۔ نوعمری میں یہ دونوں ساتھ کھیلا کرتے تھے اسی وجہ سے دونوں میں محبت تھی۔ لیکن خضر خان کی ماں اس وجہ سے اس رشتہ کو ناپسند کرتی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنے بھائی الپ خان کی لڑکی سے کرنا چاہتی تھی۔ وہ عشق و محبت کے پینگ بڑھتے ہوئے دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور بادشاہ سے کہہ کر دونوں کو جدا کرا دیا اور باوجود مخالفت کے الپ خان کی لڑکی سے شادی کر دی۔ لیکن عشق کی آگ بھڑکتی رہی۔ تب مجبور ہو کر بادشاہ نے شہزادے کا نکاح دول دیوی سے بھی کر دیا لیکن اس کے بعد بادشاہ خضر خان سے ناراض ہو گیا اور اس کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں۔ خاوند کی سب مصیبتوں میں دول دیوی اس کے ساتھ رہی اور ۷۱۸ھ مطابق ۱۳۱۸ء میں خضر خان قطب الدین مبارک شاہ کے حکم سے گوالیار میں قتل کیا گیا تھا اس وقت دول دیوی کے دونوں ہاتھ اپنے عاشقِ صادق خضر خان کے گلے میں پڑے ہوئے زخمی ہوئے تھے اور وہیں وہ بھی قتل ہو کر خاوند کے ساتھ دفن ہوئی۔

ان دونوں کی عاشقی کا ایسا شہرہ ہوا کہ ہندی فارسی شاعروں کا

Marfat.com

ایک شاعرانہ افسانہ بن گیا۔ بہت سے قصے دونوں زبانوں میں موجود ہیں۔ اور صدہا برس تک لوگوں نے گیت بنا کر گائے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جے پور کے کتب خانے میں موجود ہے جو ۷۱۵ھ مطابق ۱۳۱۵ء کی تصنیف ہے اور یہ کتاب امیر نے چار ماہ اور پندرہ دن میں لکھی ہے۔

مثنوی نہ سپہر

یہ مثنوی حضرت امیر خسرو نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے نام پر لکھی تھی جو اب نایاب ہے۔ مسٹر ایلیٹ لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں قطب الدین کی سلطنت کے تاریخی واقعات درج ہیں۔

مثنوی تغلق نامہ

امیر کی یہ تصنیف سلطان غیاث الدین تغلق کے نام پر لکھی گئی ہے۔ یہ اکبر اور جہانگیر کے وقت میں نایاب تھی۔ ۱۰۱۹ھ مطابق ۱۶۱۰ء میں جہانگیر نے اس کو دیکھ کر بہت پسند کیا لیکن اس کا جو نسخہ شاہی کتب خانے میں تھا اس کا ایک حصہ غائب تھا۔ جب دستیاب نہ ہوا تو جہانگیر نے شعرائے دربار کو حکم دیا کہ اسی طرز پر طبع آزمائی کر کے اشعار پورے کیے جائیں۔ چنانچہ حیاتی کاشی کی منظم بادشاہ کو پسند آئی اور اس کو داخل تغلق نامہ کر کے حیاتی کو چھ ہزار اشرفیاں بادشاہ نے مرحمت فرمائیں۔ سعید امی گیلانی نے اس کی تاریخ لکھی ہے:

Marfat.com

چوں حیاتی راب زرتخشید شاہنشاہ عصر
بادشاہِ عدل گستر شاہ گردوں اقتدار
آفتابِ مرفتِ کشور سایۂ پروردگار
بہر تارِ بخش بروئے کفہ میزان چرخ
شاعر سنجیدہ شاہی رستم زد روزگار

خزائن الفتوح ——— تاریخ علائی

اس تاریخ میں حضرت امیر خسرو نے سلطان علاؤالدین خلجی کے ابتدائی سلطنت اور فتوحات کے حالات نہایت فصاحت اور بلاغت سے تحریر کیے ہیں۔ صاحب منتخب التواریخ ملک مانک اور مغلوں کی لڑائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ اس لڑائی کے قصے کو امیر نے خزائن الفتوح میں نہایت فصاحت اور بلاغت سے تحریر کیا ہے۔ مسٹر ایلیٹ اپنی تاریخ میں اس کتاب کی بابت تحریر کرتے ہیں کہ یہ تاریخ جو اِن دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ حضرت امیر کی تالیف ہے۔ اس میں سلطان علاالدین خلجی کے (جس کو اکثر مولف محمد شاہ کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں) اوائل سلطنت سنہ ۶۹۵ھ مطابق سنہ ۱۲۹۶ء سے سنہ ۱۳۱۰ء تک کے حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں لکھے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ یہی کتاب ہے۔ جس کا حوالہ مورخوں نے اپنی تاریخوں میں تاریخ علاؤالدین خلجی کے نام سے دیا ہے۔ یہ مختصر کتاب ان مضامین کے بارے میں ہے جن کا تعلق لڑائیوں سے

ہے۔ پُراز معلومات اور عبارت دقیق ہے۔ نازک خیالی اور استعارات سے زیادہ کام لیا ہے۔ اور دلچسپ بنانے میں خاص کوشش یہ بھی کی ہے کہ اس میں اکثر الفاظ ہندی کے بھی شامل کیے گئے ہیں مثلاً کاٹھ۔ گڈھ۔ پر دھان۔ مار امار، کیونکہ اُن کو برج بھاشا زبان سے رغبت تھی۔ اس میں زیادہ تر واقعات ان کے چشم دید ہیں۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ قلمی نسخہ جے پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ایک لڑائی کا حال اس شعر سے شروع کیا ہے۔

این فتح خزائن الفتوح است ہر گوہر ازو چراغ روح است
این نامہ کہ نقد فتح دارد در جیب شد نام خزائن الفتوح از غیب

انشائے خسرو یا خیالات خسرو

یہ کتاب سلیس فارسی میں واقعات اور مراسلات کا مجموعہ ہے۔ اس کے اکثر واقعات اخلاق اور پند و نصائح سے متعلق ہیں۔ یہ نسخہ بھی جے پور کے عجائب خانے میں موجود ہے۔

اعجاز خسرو یا رسائل الاعجاز

اس کتاب میں جو اشعار عربی فارسی فقرات کے ساتھ استعمال کیے ہیں وہ امیر کی قادر الکلامی کا ثبوت ہیں اور بلحاظ زبان کسی طرح فصحائے عرب کے کلام سے کم نہیں اور جس طرح کہ شیخ کی گلستاں یا مولانا روم کی مثنوی امام غزالی کی احیاء العلوم۔ فردوسی کا شاہنامہ نظامی کا سکندر نامہ، فیضی کی

تفسیر سواطع الالہام اور ایام جہالت کے امرآلقیس وغیرہ فصحائے عرب کی سبعہ معلقہ جیسی کتابوں کا جواب آج تک نہ ہو سکا اسی طرح امیر کی انشائے خسرو کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ یہ کتاب مبارک شاہ کے عہد میں شروع ہو کر ۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں بڑی تقطیع کے تقریباً بارہ سو صفحات ہیں اور مطبع نول کشور سے شائع ہوئی ہے۔

افضل الفوائد و راحت المحبین

ان دونوں کتابوں میں امیر خسرو نے ملفوظات اپنے پیر حضرت سلطان المشائخ کے ترتیب کے ساتھ جمع کیے ہیں۔ بطور نمونہ چند سطور پیش کی جاتی ہیں۔

"مجلس اول میں بروز دو شنبہ بستم ماہ رجب المرجب ۶۸۹ھ گفتگو دوبارہ آفرینش آدم علیہ السلام واقع ہوئی بندہ گنہگار امیدوار رحمت پروردگار و پروردہ خسرو لاچین کو کہ یکے از بندگان و حلقہ بگوشاں حضرت سلطان المشائخ ہے دولت قدم بوسی حاصل ہوئی عزیزان اہل صفا حاضر خدمت تھے بندہ عرض کرنے کے واسطے دست بستہ کھڑا ہوا۔ آپ نے مجھے کھڑا ہوا دیکھ کر ازراہِ کرم فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ جو کچھ کہنا ہو وہ کہو۔ میں نے دوبارہ قدم بوسی کی۔ آپ نے ازراہِ نوازش مجھے اٹھایا اور باردیگر ارشاد فرمایا کہ تم کو اجازت ہے جو عرض کرنا ہے وہ کہو میں نے التماس کیا کہ اس نحیف نے قبل ازیں جس قدر انفاس نفیسہ

Marfat.com

زبان مبارک سے سنے تھے ان کو قلم بند کیا ہے۔ بندہ نے اس
کا نام افضل الفوائد رکھا ہے۔ کتاب مذکور ملاحظہ فرمائی جا چکی ہے
اب میں طالب اجازت ہوں کہ جو ارشادات زبان سے سنوں ان
کو تحریر میں لایا کروں۔ میری یہ خواہش ہے کہ آئندہ ذکر حضرت انبیاء
اعظم فرمایا کریں۔ بندہ نوازی ہوگی۔ بندہ کی عرض داشت ختم ہوتے
ہی آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ تمھارے آنے سے پیشتر ہی
یہ حکایت تمھاری خواہش کے مطابق شروع کر دی ہے۔"
راحت المجلسین کا اُردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور افضل الفوائد بھی چھپ چکی ہے۔

خالقِ باری

یہ کتاب گویا ہندی، عربی، فارسی کی منظوم لغت ہے اور مختلف بحروں میں
ہے۔ پہلے یہ کئی بڑی جلدوں میں تھی لیکن آخر زمانے میں مکتبوں میں بچوں کو پڑھانے
کے واسطے نہایت مختصر کر دی گئی تھی۔ امیر کی یہ برابر خواہش رہی ایک مخلوط زبان
جس میں بھاشا عربی اور فارسی شامل ہو۔ ہندوستان کے واسطے کار آمد اور ضروری ہے
۱۸۹۵ء تک "خالق باری" اور "کریما" مکاتب میں پڑھائی جاتی تھیں کریما
بھی فارسی کی منظوم لغت اخلاقی کتاب ہے اور ان دونوں کتابوں سے طلباء
کو جو فوائد حاصل ہوتے تھے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ افسوس ہے کہ اب یہ کتابیں
ناپید ہیں۔ راقم الحروف کو جو چند اشعار کریما اور خالق باری کے یاد ہیں
وہ حسبِ ذیل ہیں:

Marfat.com

کریما

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما / کہ ہستم اسیر کمندِ ہوا
نہ داریم غیر از تو فریاد رس / توئی عاصیاں را خطا بخش و بس
نگہدار ما را زراہ خطا / خطا در گذار و صوابم نما
سوارے جہانگیر یکران براق / کہ بگذشت از قصر نیلی رواق
چہل سال عمرِ عزیزت گذشت / مزاج تو از حال طفلی نہ گشت

خالق باری

خالق باری سرجن ہار / واحد ایک بدا کرتار
رسول پیغمبر جان بسٹھیہ / یار دوست بولی جا ایٹھ
اللہ ایک خدا کا ناؤں / گرمی ہے دھوپ سایہ ہے چھاؤں

خالقِ باری کے بارے میں ایک محقق کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ کتاب خسرو شاہ کی تصنیف ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مقالہ جواہر البحر

اس کتاب کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ البتہ مسٹر ٹامس ولیم بیلی اپنی اورینٹل بایوگرافی کل ڈکشنری میں امیر خسرو کی تصنیفات کے سلسلہ میں مقالہ

Marfat.com

تحریر کرتے ہیں کہ اس کتاب میں حضرت امیر نے خلفائے راشدین کے حالات تفصیل سے درج کیے ہیں اور فرقہ صوفیہ کے بارے میں بھی ایک رسالہ شامل ہے اس کو ۱۳۲۴ء کی تصنیف بتلاتے ہیں۔

دیوان تحفۃ الصغر
وسط الحیات غرۃ الکمال بقیہ نقیہ

اس کتاب میں سلاطین سامانیہ کے عہد میں نظم کی تاریخ کی ابتدا اس طرح بتلاتے ہیں کہ حکیم محمد ابوالحسن رودکی نے سب سے پہلے فارسی شاعری کو کمال پر پہنچایا۔ قصیدہ اور غزل کی طرح ایجاد کی۔ کہتے ہیں کہ وہ مادرزاد اندھا تھا۔ مگر اس قدر ذہین واقع ہوا تھا کہ باوجود نابینا ہونے کے سات برس کی عمر میں حکیم ابوالحسن شاعر اور لطیفہ گو ہو گیا تھا اس کے علاوہ خوش آواز اور علم موسیقی میں کمال رکھتا تھا۔

شروع میں مطرب تھا رفتہ رفتہ معفر ابن احمد سامانی کی صحبت میں رہ کر بڑے بڑے مدارج حاصل کیے اور جو دولت اور حشمت اس کو حاصل تھی وہ اس سے قبل کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

شرح یمینی کی روایت ہے کہ اس کے اشعار کی تعداد اکتیس ہزار ۳۱۰۰۰ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد تو اسدی، طوسی، ارزقی، فردوسی، عنصری انوری۔ وقیقی، عسجدی، فرخی، فلکی، نظامی، خاقانی، سنائی، قاریابی وغیرہ

Marfat.com

فارسی کے آسمان پر بجلی ہو کر چمکے۔ ساتویں صدی میں مشرقی شعراء کے سرتاج شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے ایسے خوش نما گل کھلائے کہ دنیا محوِ حسرت ہو گئی۔

قطعہ

در شعر سہ تن پیمبر انند — ہر چند کہ لا نبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را — فردوسی و انوری و سعدی

یہ وہی زمانہ تھا جبکہ امیر خسرو اور حسن نے طرزِ غزل کو کمال کے درجہ پر پہنچا دیا تھا۔ شاعر اپنی شاعری کو تجربہ علمیت اور عمر کے لحاظ سے خیالات کے سانچے میں ڈھالا کرتا ہے۔ حضرت امیر نے بھی اپنے کلام کو اسی لحاظ کو مدِ نظر رکھ کر چار دیوانوں میں تقسیم کیا ہے۔

اوائل عمر ——— عہد جوانی ——— سن کہولت ———
پیرانہ سالی ——— دیوان تحفۃ الصغر ——— غرۃ الکمال ——— وسط الحیات

بقیہ نقیہ میں وہ اشعار ہیں جو سولہ سال کی عمر سے انیس برس کی عمر تک مرتب کیے ہیں۔ اس میں سلطان غیاث الدین بلبن شہزادوں اور دیگر امراء کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور یہ اکثر نوروز عید کے موقعوں پر لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر حضرت نظام الدین اولیاء یا سلطان بلبن کی شان میں ہیں۔

دوسرے دیوان میں جو بیس برس کی عمر سے تیس برس کی عمر تک کی تصانیف شامل ہیں اور اس میں بھی شاہ بلبن اور نظام المشائخ کی شان میں قصیدے درج ہیں۔

Marfat.com

تیسرا دیوان. سب سے بڑا ہے اور مثنوی مفتاح الفتوح بھی اسی میں شامل ہے۔ لیکن جو نسخہ نواب ضیاالدین خاں دہلوی کے کتب خانے میں تھا اس میں مثنوی نہیں ہے یہ چوبیس اور بیالیس برس کی عمر کا ذخیرہ ہے۔ دیوان کا حجم چار سو چورانوے صفحات ہیں۔

چوتھے دیوان میں پچاس سال کی عمر سے چونسٹھ برس کی عمر تک کی تصانیف ہیں۔ اس میں بھی مثنویاں اور قصائد ہیں یہ چاروں دیوان اب ناپید ہیں۔

عناصر خسرو میں اکیس قصیدے آٹھ سو نوے غزلیں، ستاون قطعات اور رباعیاں ہیں اس کے کل اشعار کی تعداد سات ہزار سات سو پچاس ہے۔

Marfat.com

باب ۷

ایجادِ موسیقی

حیاتِ حضرت امیر خسرو اکثر تذکرہ نویسوں نے مختلف اوقات میں لکھی ہیں مورخوں اور اس زمانے کے سیاحوں نے بھی امیر کی موسیقی کے بارے میں ضمناً کچھ لکھا ہے۔ لیکن فنی اعتبار سے یہ ثابت کرنے کی قطعی کوشش نہیں کی کہ یہ ایجاد کردہ راگ کن راگوں سے مرکب ہیں۔ کس طرح پر گائے جاتے ہیں اور کیونکر یہ عالمِ وجود میں آئے۔

اگر ان راگوں میں ہندی، عربی، یا عجمی راگوں کی آمیزش ہے تو وہ کون راگ ہیں اور ان کو ہم آہنگ کرنے میں امیر کو کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔

دوم اس تشریح کی اس وجہ سے بھی ضرورت پیش آئی کہ آج جو ہندوستانی موسیقی رائج ہے اس میں یہ تمیز کرنا کہ امیر کے راگ اور ترکیبیں کیا ہیں فی الحقیقت ایک دشوار معاملہ ہے کیونکہ امیر کی موسیقی کی تمام کتابیں ضائع ہو چکی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ امیر نے جو یہ دشوار گذار کام کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے

مسلمانوں نے اس دعوے کے ثبوت میں کہ ہندوستانی موسیقی ہماری ہے یا اس کی ترقی اور معراج کمال پر پہنچانے میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے کبھی کوئی

دلائل پیش نہیں کیے نتیجہ یہ ہوا کہ جواہر خسروی ناقدری کی گرد میں رُلتے رُلتے ایسے معدوم ہو گئے کہ ان کا وجود بھی باقی نہیں رہا اور وہ راگ جن کے موجد امیر خسرو تھے دوسروں سے منسوب ہو گئے۔ اس لیے بحیثیت ایک مولف کے میرے واسطے یہ ضروری ہو گیا کہ اس بارے میں جس قدر معلومات فراہم کر سکوں اس میں حتے الوسع کوتاہی نہ ہو۔ اس سلسلہ میں مجھ سے جو ہو سکا وہ میں نے کیا۔ اس کے بعد اہل نظر کا کام ہے کہ وہ اس طرف توجہ فرمائیں۔ ممکن ہے کہ تذکرہ نویسوں نے فن کی دشواریوں، عدم واقفیت موسیقی کے جواز اور عدم جواز کے اختلافی وجوہات کی بناء پر امیر کے اس کارنامے کو نظر انداز کر دیا ہو یا ممکن العمل خیال کیا نہ ہو لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سات سو سال گذر جانے کے باوجود کسی اہل نظر نے توجہ نہیں کی۔

ظاہر ہے کہ امیر کی عمر کا زیادہ حصہ شاہی درباروں اور امرا کی صحبتوں میں گذرا جہاں موسیقی درباروں کی رونق اور شان و شکوہ کا جزو اعظم خیال کی جاتی تھی۔ قدرتی طور پر امیر نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ اس زمانے کی ہندی موسیقی جو چند ہندی راگوں پر مشتمل تھی۔ کچھ تو مسلمانوں کے عام مذاق سے مختلف تھی اور کچھ گانے بھی سراپا لہو و لعب سے مملو تھے یا ناقابل فہم تھے۔ جو گانے مسلمانوں کو مرغوب تھے مثلاً حمد و ثنا، نعت، غزل، رباعیات، خمسہ، مثنوی وغیرہ ان چیزوں کے واسطے ہندی راگوں میں کوئی گنجائش نہ تھی۔

امیر نے اس دشواری کو محسوس کیا اور اس قومی ضرورت نے عملی صورت اختیار کی۔ چونکہ عربی اور عجمی موسیقار شاہی درباروں میں شریک ہوتے تھے ان سے رابطہ اور اتحاد پیدا کر کے غیر ممالک کے راگوں کو سمجھا اور اس زمانے کے

Marfat.com

ہندی راگوں سے واقفیت حاصل کی۔ چونکہ طبیعت رسا اور طبع روان تھی۔ اس طرح ان رنگ برنگے پھولوں سے ایک ایسا خوشنما گلدستہ تیار کیا جو موسیقی کے تمام و کمال صفات کا حامل تھا۔

امیر نے نہ صرف راگ ہی ایجاد کیے بلکہ مختلف اقسام کے ساز بھی ایجاد کیے اور ایسے جامع اور مکمل قواعد مرتب کیے کہ باوجود اس دراز مدت کے ان میں کوئی ترمیم تنسیخ نہ کر سکا۔

اس ضعیفی کے عالم میں یہ تو میرے لیے ممکن نہ تھا کہ ممالک غیر جا کر مزید ریسرچ کے سلسلہ میں موسیقی کی عربی اور عجمی کتابوں کا مطالعہ کرتا، لیکن خوش قسمتی سے ان کتابوں میں سے بعض کے ترجمے اور اقتباسات کراچی ہی میں مل گئے اور اتفاق سے ایسی قدیم زمانے کی کتابیں بھی دستیاب ہو گئیں جن کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ گو علم موسیقی سے مجھے خاص دلچسپی ہے تاہم یہ فنی اعتبار سے ایسا دشوار ہے جس کی باریکیوں کو سمجھنا میرے لیے آسان نہ تھا لیکن مشہور ماہرین جن کا ذکر دیباچہ میں کیا جا چکا ہے ان سے سمجھنے کے بعد قلم اٹھایا اور اس طرح یہ فن جس کے مسلمان دعوے دار ہیں ایک حد تک محفوظ ہو گیا۔ جن کتابوں سے میں نے استفادہ کیا وہ حسب ذیل ہیں:

1 RAGMALA MINIATURES BY H. STOOKL

2 INDIAN MUSIC BY D.P MUKERJI

3 HISTORY OF ARABIAN MUSIC BY HENRY GEORGE-FARMER

Marfat.com

4 - TRACTS ON LISTENING MUSIC BY GAMES-
ROBSON
5 - INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE
BY TARA CHAND
6 - ISLAMIC CULTURE VOL: xxix NO 1
7 - HISTORY OF THE RÂGHÂS
8 - INDO IRANICA, ERAN SOCIETY CULTURE
۹- ہندوستان کی موسیقی مصنفہ عبدالحلیم شرر
۱۰- ہماری موسیقی ادارہ مطبوعات پاکستان کراچی
۱۱- تذکرۂ مراۃ الخیال مولفہ امیر شیر علی خاں لودھی۔
۱۲- معارف النغمات مصنفہ ٹھاکر نواب علی خان
۱۳- شعر العجم مولفہ شبلی
۱۴- معدن موسیقی مولفہ حکیم محمد کرم امام خان مطبوعہ ۱۹۲۵ء
۱۵- سرمایۂ عشرت مولفہ صادق علی خاں مطبوعہ ۱۸۸۴ء
۱۶- راگ چمن حصہ اول و دوئم مطبع ابوالعلائی آگرہ

مسلمانوں کی موسیقی کی ابتداء

قبل اس کے کہ امیر خسرو کے ایجاد کردہ راگوں کے بارے میں کچھ لکھا

Marfat.com

جائے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ راگوں کی ابتدا کہاں سے اور کیونکر ہوئی اور آج جس فن موسیقی کو معراج پر دیکھ رہے ہیں اس کی ترقی کا سہرا کس کے سر ہے۔

فلسفیوں کا مقولہ ہے کہ جن جذبات دل کے اظہار سے زبان قاصر ہوتی ہے ان کو نغمہ اپنے سروں، زمزموں، مینڈ، الاپ وغیرہ سے ادا کرتا ہے اور اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ نفس انسانی اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ روح میں جذباتی کیفیت پیدا ہو کر کبھی انسان ہنستا ہے، کبھی روتا ہے اور کبھی ایسا بے خود ہو جاتا ہے کہ جز عالم ما فیہا اس کو کچھ نظر نہیں آتا وہ اپنی بے خودی سے بے خود ہو کر عالم روحانیت کی سیر کرتا ہے اور اس کے کیف و سرور میں گم ہو جاتا ہے۔

گانا ہر جاندار کی سرشت میں داخل ہے یہاں تک کہ جانور بھی خود گاتے ہیں اور دوسروں کے گانے سے مسرور ہوتے ہیں۔ رجز خوانی سے سپاہی کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ پنہاری گا کر اپنی محنت کو خوشگوار بناتی ہے۔ بینڈ کے سروں اور تال سم پر فوجیں مارچ کر کے اپنی منزل کو آسان کرتی ہیں۔ ماں بیٹے کی نعش پر بین کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالتی ہے۔ عاشق غزل سرائی سے گنگنا کر اپنا غم غلط کرتا ہے، بچہ ماں کی لوری سے سو جاتا ہے، اونٹ ساربان کے نغمہ سے مست خرامی کرتا ہے۔ گھوڑا سیٹی کی آواز پر پانی پیتا ہے اور سانپ بین کی آواز پر جھومنے لگتا ہے۔ لحن داؤدی تو مشہور ہی ہے۔ لیکن معمولی گانوں سے بھی مریض کا درد و دکھ دور ہو جاتا ہے۔ یہ سب نیچر کے مدرسے

کی مختلف کلائیں ہیں۔ پہاڑوں پر بعض پرند ایسے خوش گلو ہوتے ہیں کہ ان کے سُریلے نغموں سے انسان بے خود ہو جاتا ہے۔

میرا ذاتی تجربہ ہے کہ دہرہ دُون میں ایک چڑیا سورج نکلنے سے قبل اپنی سریلی آواز میں نغمہ سرا ہوتی تھی تو عجیب سماں پیدا ہوتا تھا اور یہ محسوس ہوتا تھا کہ آسمان سے سُرور چھن چھن کر زمین کی طرف آرہا ہے۔ یہی وہ کیفیات ہیں جن کے واسطے موسیقی جادو کا اثر رکھتی ہے جو لوگ گانے کو ممنوع خیال کرتے ہیں وہ بھی تنہائی میں کسی شعر کو گنگنا کر ترنم سے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کے پاس جوش اور جذبات کے اظہار کا موثر طریقہ موسیقی ہی ہے۔

موسیقی دراصل فطرت کی ایجاد ہے اور نغمہ سنج طیور اپنی سُریلی آوازوں سے ہمیں قدرتی کیفیات کی طرف متوجہ کرتے ہیں نغمہ ہائے ساز خواہ کتنے ہی طرب خیز کیوں نہ ہوں ان کے اثرات فرحت اور سرور کی چاہے کتنی بھی ترجمانی کیوں نہ کریں دِل کے سوئے ہوئے تاروں کو جنبش میں لانے اور روح کی گہرائیوں میں اتر جانے کی قوت غم آفرین سروں، الم انگیز راگوں، دِل کش اور دِل شکن اثرات صرف لے ہی میں ہوتے ہیں۔

موسیقی کا ہر جگہ یہی حال ہے وہ فقط کانوں ہی کے لیے جنبش نہیں ہے بلکہ ان خواہشوں، ولولوں اور تمناؤں کی حرکت بھی ہے جو آواز کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائیوں سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تمام حرکات ٹھنڈی سانس میں بھی

ہیں اور یہ تمام علامات آواز کے ساتھ آنسوؤں کا تار بھی باندھ دیتی ہیں پس یہ ناممکن ہے کہ ہم آنسوؤں کا مسلسل جام چھلکائے بغیر بشدت کسی کے دل کا دروازہ کھٹکھٹا سکیں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ فطرت کی منظر فریب سامانیاں گہرے غم سے لبریز کردیں اور اس کا محرک ہمارے ہونٹوں سے لحن اور آنکھوں سے آنسو جاری کردے ہو اور رقاصہ چٹکیاں بجاتی ہوئی رقص کی جنبشوں میں کھو جائے۔

المغرض انسان کے جذبات فطری نے موسیقی کو ہر ملک اور قوم میں خود رو طریقہ پر پیدا کیا اور انھوں نے اپنی استعداد کے مطابق اس کو ترقی دی

چونکہ میرا مقصد محض حضرت امیر خسرو کے ایجاد کردہ راگوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا ہے۔ جس کا تعلق عربی، عجمی اور ہندوستانی راگوں سے ہے اس لیے ان ممالک کی موسیقی سے واقفیت ضروری ہے۔

جہاں اور ممالک نے ترقی کی بنی اسرائیل۔ مصری، آشوری، بابلی، یونانی اور رومیوں نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق اس فنِ لطیفہ کو مکمل فن بنا دیا۔

ظہورِ اسلام کے وقت عورتوں کا دف بجا بجا کر گانا تواریخ سے ثابت ہے۔ صحابہ کے زمانے میں بھی نامی گویئے پیدا ہوئے۔ چنانچہ سب سے پہلے مغنی اسلام بنی مخزوم کا ایک غلام طویس تھا۔ جس کی شہرت خلیفہ ثالث حضرت عثمان کے زمانے میں ہو گئی تھی۔ اس کو ابتدائی عمر سے ہی گانے کا شوق تھا۔ ہزج اور رمل راگوں کے استاد اور بیدل بھی اسی پایہ کا شخص تھا وہ اپنے آپ کو نہایت منحوس بتلاتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ جس دن میں

پیدا ہُوا تھا اسی دن رسُولِ خدا صلعم نے سفرِ آخرت کیا تھا جس دن میرا دودھ چھوڑایا گیا اس دن خلیفہ اوّل کی وفات ہوئی۔ جس دن میں بلوغ کو پہنچا، خلیفہ ثانی حضرت فاروقِ اعظم شہید ہوئے اور جس دن میری شادی ہوئی اس دن خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذی النورین شہید ہوئے۔

اسی زمانے میں سعد ابی وقاص کا ایک غلام قند بھی خوب گایا کرتا تھا اور اسی زمانے میں بدیح ابن عیاد بھی تھے۔ جن کا گانا معاویہ اور عبداللہ بن جعفر طیار نے سنا تھا۔ طویس کے شاگردوں میں سے معبد دلال اور نوتیہ الضح زیادہ مشہور تھے۔ جن کی موسیقی کی مدینہ طیبہ میں اور بنی امیہ کے دربار میں کافی قدر تھی۔ اسی زمانے میں طنبورہ نام کا ایک مغنی یمن سے آن کر چمکا۔ جو ہنسرج کے راگوں کا استاد تھا۔

عربی تمدن کے ساتھ عرب کی موسیقی نے بھی ترقی کی اور اس کی ابتدا اس صورت سے ہوئی کہ ۶۵ھ میں عبداللہ بن زبیر کو کعبہ کی مرمت کی ضرورت پیش آئی جس کے واسطے انھوں نے شام اور ایران سے رومی اور عجمی معمار بلوائے۔ عجمی معماروں کا یہ دستور تھا کہ عمارت بنانے کے وقت وہ لوگ اپنے عجمی گیت گایا کرتے تھے۔ ان کا نغمہ قبیلہ بنی جمع کے ایک خوش گلو حبشی غلام سید ابن مسبحج کو بھلا معلوم ہُوا، اسے گانے کا شوق تھا وہاں کے مذاق کے موافق فنِ موسیقی سے واقف تھا اس نے غور اور توجہ سے ان عجمی معماروں کا گانا سنا اور خود بھی سیکھ لیا۔ اس کے بعد جب عربی چیزوں کو ان راگوں میں گایا تو ہر طرف واہ واہ ہونے لگی اور ابن مسبحج کو خیال ہُوا کہ

Marfat.com

غیر زبانوں کی موسیقی میں سے اپنے نغمہ کو ترقی دے سکتا ہوں۔ اس کا یہ شوق دیکھ مالک نے اُسے آزاد کر دیا۔ لوگوں کی قدر دانی نے اس میں حصول موسیقی کا ذوق پیدا کر دیا وہ سفر طے کرتا ہُوا شام پہنچا۔ جہاں رومی، یونانی علوم ترقی پر تھے، ان زبانوں کے مغنیوں سے ملا اور ان کی موسیقی کے اصول سیکھے قواعد معلوم کیے۔ چنگ و رباب بجانا سیکھا اور اس کے بعد ایران جا کر وہاں کے گویوں کا شاگرد ہُوا۔ ان کے نغموں کی دھنیں سیکھیں اور باربد۔ نکیسا شیریں۔ شکر جو اس عہد میں ایران کے نامور مغنی تھے اور ان میں اول الذکر دونوں ساسانی تاجدار خسرو پرویز کے خاص مغنی تھے۔ ان کے راگ سیکھ کر جب اپنے وطن واپس آیا تو عجیب چیز تھا، جہاں جاتا ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا یہاں تک کہ خلیفہ عبدالملک مروان کو اس کا علم ہُوا کہ ابن مسبح تمام نوجوان عربیہ کو غارت کیے ڈالتا ہے اس پر اس کی جائداد کی ضبطی کے ساتھ جواب دہی کی غرض سے دمشق میں حاضری کا حکم ہُوا اور کشاں کشاں دمشق لے جایا گیا نتیجہ یہ ہُوا کہ جب وہاں کے لوگوں نے اس کا گانا سنا تو خود عبدالملک بھی نغمہ کے دلدادہ و شیدا ہو گئے اور معافی کے ساتھ انعام و اکرام دے کر اس کو گھر واپس جانے کی اجازت دے دی۔

ابن مسبح کے بہت سے شاگردوں میں سب سے زیادہ نامور سریج اور عریض تھے۔ اس کے بعد معابد بھی ان کا شاگرد ہو گیا۔ یہ لوگ اپنے عہد کے سب سے بڑے اُستاد مغنی تھے۔ اسی زمانے کے بعد رقیق اور ابن عائشہ کے نغموں کی شہرت ہوئی۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے آئمہ اور علما فقہا تک

Marfat.com

نے اُن کا نغمہ سنا۔ بنی امیہ اور ابتدائی خلیفہ بنی عباس کا دور اسی قسم کے صدہا مغنیوں کو پیش کرتا ہے جن میں حکم الوادی اور ابو کامل عزیز خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ہارون رشید کے عہد میں شام، عراق اور عرب کے تمام مشہور شہر مغنیوں سے بے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے دربار کے منتخب مغنی ابن جامع اور ابراہیم موصلی اور ابن محرز خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک روز ہارون رشید نے ایک قابل مغنی سے پوچھا کہ ابن جامع کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ شہد کا پوچھنا کیا جب چکھیئے منہ میٹھا ہو جاتا ہے۔ پوچھا ابراہیم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ ایک چمن ہے جس میں ہر رنگ کے پھول ہیں اور طرح طرح کی خوشبو مہک رہی ہے۔ رشید نے کہا کہ اب ابن محرز کے بارے میں بھی بتلاؤ۔ جواب دیا کہ اس کے گانے میں جو جس قسم کا مزہ چاہے لے لے۔

اس زمانے کا سب سے بڑا اُستاد اور بربط نواز زل زل تھا یہ وہ دور تھا جبکہ وہاں کی موسیقی کو خالص عربی موسیقی کہنا غلط تھا بلکہ خلفا کے دربار میں قومی نغمے، یونانی، رومی اور ایرانی موسیقی مل کر معجون مرکب بن گئی تھی۔ اس کے بعد مخارق اور علویہ نے صدہا نئی طرزیں ایجاد کرنے کے علاوہ فارسی مرہان کے گانوں میں بھی وہی راگ قائم کرنا شروع کر دیے تھے اور فارسی کی پرانی موسیقی مٹ کر عربی موسیقی میں جذب ہو گئی تھی۔

انہی دونوں نے پھر فارسی راگوں کو زندہ کیا اور انہی کی کوشش سے عربی موسیقی فارسی میں منتقل ہو گئی اور عربی موسیقی کے دوش بدوش ترقی

کرنے لگی۔

متوکل کے زمانے میں ۲۳۲ھ لغایت ۲۴۷ھ عربی موسیقی نے کافی ترقی کی، اس کے بعد زنین، دبیس، مشدد فنِ نغمہ کے استاد ہوئے۔ اس کے بعد خلیفہ معتصد باللہ نے جس کا عہد ۲۷۹ھ لغایت ۲۸۹ھ تھا۔ عربی موسیقی کو ترقی دی۔ بعدہٗ خلیفہ عبداللہ بن معتز جو شاعر بھی تھا اس نے موسیقی کی قدردانی کی۔ اس کے بعد باہمی اختلافات کی وجہ سے عربوں نے موسیقی پر بیسیوں کتابیں لکھ ڈالیں۔

شہنشاہ حسین رضوی ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مسٹر ہنری جارج فارمر نے اپنے مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل کی اشاعت اکتوبر ۱۹۲۵ء میں فن موسیقی پر عربوں کی ان بیش بہا تصانیف کی فہرست مرتب کی ہے۔ جن کے نادر الوجود نسخے خوش قسمتی سے بورڈلین لائبریری میں موجود ہیں۔ ان تصانیف کی تین ثلث کا تذکرہ کتب خانہ مذکور کی فہرست مطبوعہ ۱۷۸۷ء میں درج ہے اور ایک ثلث حصہ ایسا ہے جو ابھی تک پڑھنے والوں کے واسطے موجود ہے۔ لیکن اربابِ علم و ذوق کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔

مسٹر فارمر نے ایک مکمل فہرست مرتب کرنے میں بہت کاوش کی ہے اس میں شک نہیں کہ محض ان کتابوں کی فہرست ہی مرتب کرنا ایک زبردست کام تھا۔ مسٹر فارمر مذکورہ بالا ہر تصنیف پر سلسلہ وار ایک نوٹ لکھتے جاتے ہیں جس سے کتاب کے نام کے ساتھ مصنف کا نام، وہ زمانہ جس میں

لکھی گئی۔ کتاب کا حجم اس کی موجودہ حالت اور بالخصوص مضمون کا خلاصہ درج ہے۔ ان میں سب سے زیادہ وہ کتابیں ہیں جو ذیل میں درج ہیں:

(۱) مختصر رسالہ از رسائل اخوان الصفا تصنیف دسویں صدی عیسوی۔

(۲) مقالہ موسیقی کتاب الشفا از ابوسینا گیارہویں صدی عیسوی۔

(۳) باب موسیقی کتاب اللغات از حکیم بوعلی سینا گیارہویں صدی عیسوی۔

(۴) رسالہ شرفیہ از صفی الدین عبدالمومن تیرھویں صدی عیسوی۔

(۵) کتاب الادوار از مصنف مذکور

(۶) یستخرج منہ الانعام مولفہ شمس الدین الصیداوی الغربی سولھویں صدی عیسوی۔

اس کتاب کا اقتباس پیش ہے جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کتابیں کس نوعیت کی ہیں نیز یہ کہ ہر شعبہ فن کو انھوں نے کس گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔

اس کتاب میں ریاضیات اور موسیقی دونوں شامل ہیں۔ کیونکہ ریاضی اور موسیقی میں جو رشتہ ہے اس سے عرب ناواقف نہ تھے۔ اس ترتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ عرب موسیقی کو ریاضی کا ایک جزو خیال کرتے تھے۔ یہ عربی نسخہ کئی بار بمبئی میں ۱۸۸۷ء اور ۱۸۸۹ء میں طبع ہو چکا ہے اور قاہرہ مصر میں ۱۸۸۹ء اور جرمنی میں ۱۸۲۵ء میں ترجمہ ہو کر شائع ہوا ہے۔ فصلوں کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

فصل اوّل: اس میں ماہرین فن اور حکماء کے خیالات موسیقی کی

بابت ذکر ہے۔ فصل دوم میں نظریہ اصوات پر تفصیلی بحث ہے۔ فصل سوم میں امتزاج اور تنافر اصوات پر بحث ہے اور آوازوں کے اُتار چڑھاؤ بتلاتے ہیں۔ چہارم میں تاثرات اصوات یعنی آوازوں کے اثرات پر بحث ہے۔ پنجم میں الحان اور ان کے قوانین کی شرح ہے۔ ششم میں آلات موسیقی کا ذکر ہے ہفتم میں افلاک اور سماوات کے نغمات کی سرور بخش بحث ہے ہشتم کا تعلق احکام کلام سے ہے نہم میں علم موسیقی کے مطابق تناسب اعضا کی جس قدر ضرورت ہے اس کا ذکر ہے۔ دہم میں نغمات افلاک کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ یازدہم میں عناصر وغیرہ کے متعلق حالات ہیں۔ دوازدہم میں مختلف سُروں کا ذکر ہے۔ سیزدہم میں فلاسفروں کے اقوال نادرہ ہیں۔ چہاردہم میں پُرسُرور نغمات جو قلب اور دماغ پر کیفیتیں طاری کرتے ہیں ان کا بیان ہے۔ اسی قسم کی اور کتابیں ہیں۔

سب سے پہلا شخص جس نے سلف کے خزائن موسیقی کو جمع کیا ہے وہ الیکندی تھا۔ جس کا ۸۷۲ء میں انتقال ہُوا۔ اس کے بعد فارابی ہُوا۔ جس نے موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور نظری حیثیت سے اصول موسیقی پر جو تفصیلی بحث کی ہے اس کا درجہ سب پر فائق ہے۔ آلہ ساز قانون اسی کی ایجاد ہے۔ اس نے تال سم زیر و بم نغموں اور تالوں کی مختلف ترکیبیں بطریق احسن پیش کی ہیں۔ ۹۵۱ء میں اس کا انتقال ہُوا تھا۔

یہی ابونصر فارابی جس کا لقب معلم ثانی ہے اس کا ایک دلچسپ واقعہ کتاب وفیات الاعیان زید ابن خلقان نیز کتاب روضۃ الصفا میں

Marfat.com

مذکور ہے کہ خلافت راضی باللہ کے زمانے میں اس کا گذر سیف الدولہ علی ابن ہمدان کی مجلس میں ہُوا۔ اس وقت اکثر علوم کے عالم موجود تھے۔

فارابی کی عادت تھی کہ ترکی سپاہیوں کی وضع میں رہا کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کو کسی نے نہیں پہچانا اور یہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ سیف الدولہ کو علم نہ تھا کہ یہ کون ہے اس نے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا لیکن اس نے جواب دیا کہ اپنی جگہ بیٹھوں یا تمھاری جگہ؟ سیف الدولہ نے کہا کہ اپنی جگہ۔ یہ سنتے ہی وہ شاہی مسند پر جا بیٹھا۔ یہ بات بادشاہ کو ناگوار ہوئی اور اس نے اپنے غلاموں کو مخاطب کر کے ایک خاص زبان میں کہا کہ یہ بڈھا بڑا بدتمیز ہے میں اس سے چند مسائل دریافت کروں گا۔ اگر اس نے ٹھیک جواب نہ دیئے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ ابو نصر اس زبان سے واقف تھا۔ اُس نے اسی زبان میں کہا کہ ذرا صبر کیجئے۔ بادشاہ کو تعجب ہُوا۔ کہا کیا تم اس زبان سے واقف ہو۔ اس نے جواب دیا کہ نہ صرف اسی زبان سے بلکہ بہت سی زبانوں سے واقف ہوں۔ اس کے بعد فارابی ان علماء سے جو اس وقت دربار میں موجود تھے گفتگو میں مصروف ہو گیا اور سب پر غالب آیا۔ صحبت کا یہ رنگ دیکھ کر بادشاہ نے سب کو رخصت کر دیا اور فارابی سے کھانے کے واسطے پوچھا۔ اُس نے عذر کیا۔ پھر پوچھا کہ گانا سنو گے؟ اس پر فارابی راضی ہو گیا۔ بڑے بڑے گویے آئے مگر کسی کا گانا اس کو پسند نہ آیا۔ پھر اس نے اپنی کمر سے ایک تھیلی نکالی جس میں لکڑیوں کے ٹکڑے تھے ان کو جوڑ کر اس نے بجانا شروع کیا۔ حاضرین ہنسنے لگے اس کے بعد کچھ ایسا راگ بجایا کہ سب سو

Marfat.com

گئے اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

ابتدائی زمانے میں بعض راگ صرف دف پر شادی بیاہوں میں بجائے جاتے تھے، جب فارس فتح ہُوا تو وہاں کے لوگ غلامی میں آئے۔ اس زمانے میں عبداللہ بن جعفر کے غلام سائب، عامر، طویس اور نشیط مشہور ہوئے۔ ان سے معبد ابن برید وغیرہ نے سیکھا اور بالآخر بنی عباس کے زمانے میں مستقل فن بن گیا اور پھر اس کے بعد ابراہیم بن مہدی اور ابراہیم موصلی، اسحاق بن ابراہیم و حماد بن اسحاق ابوالوفا، المتوفی ۹۹۸ء وغیرہ مشہور گویے عرب میں پیدا ہوئے۔ الغرض چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں علامہ ابوالفرج اصفہانی نے اپنی مشہور کتاب "آغانی" تصنیف کی جو اتنی بڑی اور ضخیم کتاب ہے کہ اکیس جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ گویا اس زمانے کی موسیقی کو اس نے کتابی شکل میں محفوظ کر لیا تھا۔ اس میں گانے والوں کے نام، راگ، راگنیاں، دھنیں، گانے کے قواعد سب موجود ہیں اور عربی علم وادب کی بہترین کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ فرانس اور انگلینڈ میں یہ کتاب بڑے اہتمام سے چھاپی گئی ہے لیکن اب وہ راگ دھنیں اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں ہیں۔

یہ عربی راگوں کی کتاب ایسی ہی قدیم اور مستند ہے جس طرح پر کہ "رتناگر" قدیم ہندی راگوں کی کتاب ہے اور جس طرح پر کہ ہندی قدیم راگوں کو پھر زندہ کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اسی طرح پر ضرورت ہے کہ "آغانی" کے راگوں کو پھر سے زندہ کیا جائے۔

حکیم ابونصر فارابی اس زمانے کے حکیم فلسفی ہونے کے علاوہ معلم ثانی

Marfat.com

کے لقب سے ملقب تھے۔ ارسطو کے بعد ان کا دوسرا درجہ بتلایا جاتا ہے وہ باوجود اس قابلیت کے صاحبِ کمال مغنی بھی تھے۔

ابو نصر کی وفات کے بعد ابو علی ابن سینا پیدا ہوا جو مسلمانوں کا دوسرا موسیقی داں حکیم اور فلسفی تھا۔ جن کے تفصیلی حالات آئندہ بیان ہوں گے۔

موسیقی میں ان لوگوں نے آسمان کے بارہ برجوں کے لحاظ سے بارہ مقام یا راگ مقرر کیے ہیں یعنی (۱) رہاوی (۲) حسینی (۳) راست (۴) حجاز (۵) بزرگ (۶) کوچک (۷) عراق (۸) نوا (۹) صفہان (۱۰) عشاق (۱۱) زنگولا (جس کو اب ہندوستان میں جنگلہ کہتے ہیں) (۱۲) بوسلیک۔

ان بارہ راگوں سے انھوں نے فی راگ دو شعبے قائم کیے ہیں۔ اس طرح پر بارہ راگ اور چوبیس شعبے یا راگنیاں بن گئیں یعنی:

(۱) رہاوی کا پہلا شعبہ "نوروز عرب" ہے جس کی چند راگنیاں ہیں۔

(۲) حسینی کا پہلا شعبہ "زوگاہ" ہے۔ جس کی دو راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ بوسلیک ہے جس کی آٹھ راگنیاں ہیں۔

(۳) راست کا پہلا شعبہ "پنج گاہ" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں۔ دوسرا شعبہ مہرقع ہے جس کی راگنیوں کا شمار نہیں۔

(۴) حجاز کا پہلا شعبہ "سہ گاہ" ہے جس کی دو راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ حصار ہے۔ جس کی آٹھ راگنیاں ہیں۔

(۵) بزرگ کا پہلا شعبہ "ہمایوں" ہے اور دوسرا نہفت ہے اس کی راگنیوں

کی بھی تفصیل معلوم نہیں۔

(۶) کوچک کا پہلا شعبہ "رکب" ہے۔ جس کی چھ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "بیات" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں۔

(۷) عراق کا پہلا شعبہ "تخالف" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "مغلوب" ہے۔ جس کی آٹھ راگنیاں ہیں۔

(۸) نوا کا پہلا شعبہ "نوروز غارا" ہے۔ جس کی پانچ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "مامور" ہے جس کی چھ راگنیاں ہیں۔

(۹) صفاہان۔ کا پہلا شعبہ تبریز ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ نشاپور ہے جس کی چھ راگنیاں ہیں۔

(۱۰) عشاق کا پہلا شعبہ زابل ہے جس کی دو راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ اوج ہے جس کی آٹھ راگنیاں ہیں۔

(۱۱) زنگلہ کا پہلا شعبہ چہارگاہ ہے جس کی چار راگنیاں ہیں اور دوسرا شعبہ "غزال" ہے جس کی پانچ راگنیاں ہیں۔

(۱۲) بوسلیک کی راگنیاں لاعلمی میں ہیں۔

اس طرح پر عربی موسیقی میں بارہ راگ چوبیس شعبے اور ایک سو بائیس راگنیوں سے کچھ زیادہ ہیں۔ ان سارے بسیط راگوں کے علاوہ ان کی موسیقی میں بعض دھنیں اور مرکب نغمے بھی ہیں جو دو دو راگوں سے مل کر خاص شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ بظاہر ان راگوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہیئے۔ لیکن کتابوں میں جو میری نظر سے گذری ہیں ان میں صرف چھ درج ہیں جس کو ایرانی اصطلاح میں آہنگ کہتے ہیں۔

Marfat.com

آہنگ

(۱) سلمک (۲) گردانہ (۳) نوروز (۴) گوشت (۵) مازہ (۶) شہناز ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی موسیقی میں بعض دھنیں بھی ہیں جن کو وہ اپنی اصطلاح میں گوشہ کہتے ہیں اور سب کے جدا جدا نام ہیں اور ان ناموں کی مناسبت عربی اور ایرانی مذاق کا بین ثبوت ہے۔ گوشوں کا شمار جو انھوں نے کیا ہے اڑتالیس تک پہنچتا ہے۔

ان تمام راگوں کے اوقات بھی مقرر ہیں مثلاً رہاوی کا وقت پو پھٹنے سے طلوع آفتاب تک۔ حسینی کا دوپہر چڑھنے تک۔ عراق کا دوپہر تک۔ راست ٹھیک دوپہر کو۔ کوچک کا پہر دن رہے تک۔ بوسلیک کا عصر کے وقت۔ عشاق کا شام کو۔ زنگلہ کا پہر رات گئے تک۔ بزرگ کا اس کے بعد کچھ دیر تک۔ نوا کا آدھی رات کو۔

ان میں سترہ تال ہیں جن کو مخمس۔ ترک۔ ضرب اور دو تاسے وغیرہ کہتے ہیں اندلس کی سرزمین زریاب ابن فرناس اور ابوالفضل کی مرہون منت ہے یہ اندلس کے ان مایہ ناز ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے مغرب میں ذوق نغمہ کی روح پھونکی اور اس فن لطیف کے ساتھ وابستگی پیدا کی۔ زریاب خلیفۃ المہدی جو ۱۶۶ھ میں سریر آداب سلطنت تھا اسی کے زمانے کا پروردہ تھا اور بغداد کے اسحاق موصلی کا شاگرد تھا جو مسلمان مغنیوں میں عظیم شخصیت کا مالک تھا۔

ایک مرتبہ زریاب بادشاہ ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہوا۔ اسحاق

Marfat.com

کا عود منگایا۔ لیکن زریاب نے اپنا خود ساختہ عود اٹھا لیا اور تاروں کو حرکت دی۔ سامعین اور ہارون رشید مبہوت ہو کر وجد میں آ گئے۔ اپنے استاد کے حسد کے باعث زریاب اندلس چلا گیا جہاں اس نے اپنی موسیقی اور جدت طرازی سے مغربی دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ دربار اندلس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ زریاب کو بلا شک و شبہ ہزاروں راگ، راگنیاں یاد تھیں اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ روزانہ ایک جن آ کر اس کو ایک راگ سکھایا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق المقرّی نے بھی اپنی کتاب میں کی ہے۔

زریاب سے قبل چار تارہ عود مستعمل تھا لیکن زریاب نے اس میں ایک تار کا اور اضافہ کیا جو اس کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ چونکہ انسان کے جسم میں چار خلطیں خون، بلغم، سودا، صفرا ہیں۔ یہی رعایت موجدوں نے اس کی ساخت میں رکھی تھی اور یہ تار مختلف ریشم کے ڈوروں کے تھے۔ عام طور پر ربط کے ذریعے لکڑی کی مضراب استعمال ہوتی ہے لیکن اس نے عقاب کے پنجوں کے ناخنوں کو بطور مضراب استعمال کیا اور یہ ترکیب نہایت مفید ثابت ہوئی اس کا انتقال ۲۳۸ھ میں ہوا ہے۔

حافظ شیرازی نے جو اشعار راگوں کے بارے میں کہے ہیں ان میں راگوں کے ناموں پر نشانات ہیں۔

غزل

در بزم گاہ عشاق اے بلبلِ خوش الحان بنوا نوا خدا را رہبر نے نوایاں

راہ عراق برگیر از دلِ غمی بروں آر | سوئے حجاز بنگر در راہِ وصل جاناں
افگندہ دست حسرت آشوب در حسینی | چوں بوسلیک گشتند آہنگ دلبر بایاں
زنگولہ چوں دلِ من پوسیت در غردش است | زاں ساں کہ نغمہ سازند در پردہ صفاہاں
تو لیت بشنو از من شاید کہ راست باشد | در پردۂ رہا دلیست صورت ہزار دستاں
اے گلرخاں شیراز ما کوچک شمائم | شاید بزرگ گردیم در بارگاہ شاہاں

دیگر نظم شعبہ اور مقامات

مقامے کندر آمد دو و پہار | دو شعبہ در ہر مقامے راست ناچار
مقامے راست راکج رنج برخاست | برقع را برزمش پنج گاہ است
حجاز آمد یکے نخل نمودہ | سہ گاہ است در حصار آں نخل رابر
ز اصفہان کسے کو گشت آگاہ | زتبریز ودوشاپورک برو راہ

الغرض یہ علم تھا جس کو مسلمان عرب اور فارس سے اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے۔ اس علم کا آخری مصنف بو علی ابن سینا محمود غزنوی کا معاصر تھا ممکن ہے کہ اس سے قبل بھی عربوں کے ساتھ متعدد مغنی سندھ میں آئے ہوں مگر وادیٔ گنگا تک مسلمانوں کے پہنچنے کا آغاز محمود غزنوی کے زمانے سے ہوا ہے اور جو اسلامی معاشرت، تہذیب، لباس، طعام، زبان وغیرہ آج ہم یہاں کے مسلمانوں میں دیکھ رہے ہیں یا ہندوستانی موسیقی میں جو کایا پلٹ ہوئی ہے اس کی ابتدا بھی ہم اسی زمانے سے شمار کرتے ہیں۔

سنڈکس سسلی سویٹزرلینڈ نے جو تصویر بو علی سینا کی شائع کی ہے

Marfat.com

اس سلسلہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ابو علی الحسن ابنِ عبد اللہ ابن سینا عام طور پر ابن سینا کے نام سے مشہور ہیں اُن کی پیدائش ۹۸۰ء میں ایک چھوٹے سے قصبہ انچانا میں ہوئی تھی جو بخارا ترکستان میں واقع ہے۔ وہ بچپن ہی سے علوم اور فنون کے بھوکے تھے۔ دس سال کی عمر میں انھوں نے قرآن حفظ کیا، سولہ سال کی عمر میں نہ صرف وہ فلاسفی اور سائنس کے عالم ہو گئے بلکہ دیگر علوم کے ساتھ طب میں بھی کمال حاصل کیا اس وجہ سے امیر بخارا ان پر بہت مہربان ہو گیا اس کے بعد وہ سیر و سیاحت میں مصروف ہو گئے اور کتابیں لکھیں۔ بائیس سال کے بعد ہمدان آئے اور وہاں کے امیر کے وزیر مقرر ہوئے۔ امیر کے انتقال کے بعد پھر سیاحت شروع کی اور اصفہان پہنچے اور امیر علاؤ الدین نے ان کو کوئی معزز عہدہ دینا چاہا لیکن انھوں نے منظور نہ کیا اور اس خامی کو محسوس کر کے کہ ایرانی موسیقی میں کوئی مستند اور جامع کتاب نہیں ہے۔ موسیقی کو سیکھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس میں واقفیت حاصل کر کے ایک جامع کتاب مرتب کی اور پھر سیاحت شروع کر دی لیکن رفتہ رفتہ صحت خراب ہو گئی اور جبکہ امیر کے ساتھ وہ سفر میں تھے ۱۰۳۷ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور شہر ہمدان میں دفن ہوئے۔ ۱۰۵۲ء میں ان کا مقبرہ تیار کیا گیا۔ اس زمانے کے حکما نے اس بارے میں بھی تحقیقات کی ہے کہ راگوں کے اثرات جسم انسانی پر کیا ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ راگوں کے اثرات موسموں کے لحاظ سے کیا ہوتے ہیں ان کا خیال ہے کہ راگ راست فالج اور لقوے کا مجرب علاج ہے۔ اصفہان ایسے امراض میں مفید ہے جو سرد یا خشک مقامات کی آب و ہوا سے پیدا ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ عراق دماغی امراض بالعموم مغلوب الغضب اشخاص کے واسطے مفید ہے۔ کوچک دردِ سر اور دردِ دل کا علاج ہے۔ بزرگ پیچش دردِ سر جو گرمی سے پیدا ہوتا ہے۔ حجاز دردِ پسلی کے واسطے مفید ہے۔ پیشاب آور اور خواہشات نفسانی پیدا کرتا ہے نیز کان کے درد کے واسطے بھی مفید ہے۔ بوسلیک یہ راگ جنین میں بچّہ کی صحت و سلامتی اور سردی سے جو بدن میں درد ہوتا ہے۔ اس کے واسطے بھی مفید ہے۔ نوا عورتوں کے مرض سیلان الرحم میں مفید ہے۔ پراگندہ خیالی کو دُور کرتا ہے۔ کمر میں جھٹکا آجائے اور امراض دماغی میں بھی مفید ہے۔ حسینی بخار کی شدت کو کم کرتا ہے اور جسم کی غیر معمولی حرارت کو بھی زائل کرتا ہے۔ زنگولہ یہ راگ مرض خناق، قلب کی حرکت خراب ہوجانے، خُون کی خرابی دردِ گردہ اور امراض مثانہ میں مفید ہے۔ رہاوی لقوہ اور درد گردے میں مفید ہے۔ عشاق اس راگ کی بابت لکھا ہے کہ امراض القدمین والریاح الحارۃ الباث بجانب سہا النوم میں مفید ہے۔

الغرض راگوں کے متعلق جو حکماء اور عربوں نے تحقیقات کی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔

راگوں کے اثرات سُننے والوں پر ہر ماہ جُداگانہ ہیں

نمبر شمار	نام راگ	ابراج عربی	ابراج ہندی	ہندی مہینے	اثرات
۱	صفہان	ثور	برکھ	بیساکھ	فرحت۔ انبساط

۲	عراق	جوزا	متھن	جیٹھ	فرحت - انبساط
۳	کوچک	سرطان	کرک	اساڑھ	حزن و ملال
۴	بزرگ	اسد	سنگھ	ساون	حزن و ملال
۵	حجاز	سنبلہ	کنیان	بھادوں	لطف و سرور
۶	بوسلیک	میزان	تولا	کنوار	دلیری - ہمت
۷	عشاق	عقرب	برچھیک	کاتک	دلیری - جوش
۸	حسینی	قوس	دھن	اگھن	لذت و سرور
۹	زنگولہ	جدی	مکر	پوس	غم و الم
۱۰	نوا	دلو	کنبھ	ماگھ	شجاعت
۱۱	رہاوی	حوت	مین	پھاگن	ذوق - شوق
۱۲	راست	حمل	میکھ	چیت	خوشی

ہندی موسیقی

قدیم زمانے میں ہندوستانی موسیقی کی تعلیم ویدوں کی تعلیم سے وابستہ تھی۔ کیونکہ گانا بجانا عبادت کا جزو تھا۔ تمام وید کے بھجن گا کر عبادت کی تکمیل کی جاتی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ پرانا میوزک لٹریچر اہل ہنود کا اسی زمانے کی نظر ہوگیا اور اس عہد اولین کی کوئی تحریر اب موجود نہیں ہے اسی وجہ سے بہ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان کی ابتدائی موسیقی کیا تھی۔ ان کے قواعد اور اصول کیا تھے۔

Marfat.com

سنہ ۱۱۰۰ء میں سب سے پہلی کتاب جو ہندی میوزک پر لکھی گئی وہ راگا ترنگی ہے جس کا مصنف لوچنا کوی ہے۔ جس نے ۱۱۶۲ء میں تکمیل کی ضخامت تقریباً سو صفحات ہیں۔ تیرھویں صدی عیسوی کے اختتام پر ایک دوسری کتاب سنگیت رتنا کارا جنوبی ہند کے ایک کشمیری پنڈت شرنگا دیوا نے لکھی اور یہ کتاب اس زمانے کی موسیقی کی مستند چیز ہے۔ کیونکہ اس سے ماقبل کی تمام موسیقی کے حالات اس میں درج ہیں۔ کندر کا وٹھا تیسرا شخص ہے جس نے اسی مضمون پر پانچ کتابیں لکھی ہیں یعنی صدر اگا، چندرودیا، راگ مالا، راگ منجری اور نرتنا نرنایا۔ یہ شخص برہان خان بادشاہ خاندیش کا ملازم تھا۔ جہانگیر کے وقت میں سومنات موسیقار نے کتاب راگا وبودھ لکھی جو سنہ ۱۶۱۰ء میں ختم ہوئی۔ اسی زمانے میں دامودرا پنڈت نے موسیقی کی سنگیت درپن کتاب لکھی جو سنہ ۱۶۲۵ء میں مکمل ہوئی اس کے بعد شاہجہان کے وقت میں پنڈت اہوبالا نے سنہ ۱۶۵۰ء میں سنگیت پاریجات لکھی جس میں کل ایک سو بائیس راگوں کے حالات درج ہیں۔

ان پنڈتوں نے سنگیت کی تین قسمیں مقرر کی ہیں۔ گرنتھ سنگیت، لکش سنگیت بھاوی سنگیت۔ گرنتھ سنگیت اس کو کہتے ہیں جو زمانہ ماضی میں تھی اور زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہی اور قدیم منسوخ ہو گئی۔ لکش سنگیت کے معنی موسیقی زمانہ حال اور بھاوی سنگیت وہ ہے جو زمانہ مستقبل میں ہوگی۔

امیر خسرو اور موسیقی

شعر العجم میں مذکور ہے کہ امیر خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے اس نازک

Marfat.com

اور لطیفِ فن کی طرف بھی توجہ کی اور اس کو اس درجہ پر پہنچا دیا کہ چھ سو برس کی دراز مدت نے بھی اس کا جواب پیدا نہیں کیا اس زمانے کا سب سے بڑا اُستاد نائک گوپال تھا۔ اس نے بھی اس علم موسیقی کے حصول کی غرض سے امیر کے روبرو زانوئے ادب تہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ نائک گوپال کے تقریباً بارہ سو شاگرد تھے جو اس کے تخت کو فرداً فرداً اٹھا کر چلتے تھے۔ جب سلطان علاؤالدین خلجی نے اس کے کمال کا شہرہ سنا تو اپنے دربار میں طلب کیا۔ امیر بھی اپنے شاگردوں کو لائے۔ نائک گوپال بھی امیر کا شہرہ سن چکا تھا۔ لیکن ملاقات نہ تھی۔ اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ پہلے امیر اپنا کمال دکھائیں۔ امیر نے اس کا یہ جواب دیا کہ میں مغل ہوں اور ہندوستانی گانے معمولی جانتا ہوں آپ کچھ سنائیں اس کے بعد جو کچھ میں جانتا ہوں وہ پیش کروں گا۔ گوپال نے کئی راگ گائے اور ہر ایک راگ کو امیر نے یہ کہہ کر ٹوک دیا کہ یہ تو میری ایجاد ہے اور اس کے بعد خود گا کر اس کی خامیاں بتلائیں اور کہا کہ یہ تو عام بازاری راگ ہیں اب میں اپنے خاص راگ سناتا ہوں اس کے بعد جب گایا تو گوپال مبہوت ہو کر رہ گیا۔

امیر چونکہ ہندی کے علاوہ فارسی راگوں سے بھی واقف تھے اس لیے انھوں نے دونوں قسم کی موسیقی ترتیب دے کر ایک نیا عالم پیدا کر دیا۔ اس کے بعد امیر نے ایک اور چیز سنائی اور اس کا نام پوچھا وہ صحیح جواب نہ دے سکا تب آپ نے اس سے کہا کہ جس چیز کو تم دھرپد کہتے ہو، کبھی چیز رنگ اور توڑ کہتے ہو۔ ہم نے اس کا نام ترانہ رکھا ہے۔ مطلع العلوم میں مذکور ہے کہ نائک گوپال دکن سے آیا تھا اور مدتوں آپ کی صحبت میں رہ کر کمال حاصل

Marfat.com

کیا تھا اس کے علاوہ سادنت موسیقار بھی جو اس زمانے کا ماہر تھا آپ ہی کا صحبت یافتہ تھا۔

راگ ایجاد کردہ امیر خسرو

نمبر شمار		وہ راگ جن سے مرتب ہے
۱	مجیب یا مجیر	غارا اور عجمی راگوں سے مرکب ہے۔
۲	سازگری	پوربی، گورا، گن گلی اور ایک فارسی راگ۔
۳	ایمن	ہنڈول اور نیریز
۴	عشاق	سارنگ، بسنت، نوا۔
۵	موافق	ٹوڑی، مال سری، درگا، حسینی۔
۶	غنم	پوربی کو تبدیل کرکے نیا راگ بنایا ہے۔
۷	زیلف	راگ کھٹ اور شہناز
۸	فرغانہ	گن گلی، گورا
۹	سرپردہ	سارنگ، بلاول، راست
۱۰	باغرو یا باخرو	دیس کار میں ایک فارسی راگ ملایا ہے۔
۱۱	صنم یا غنم	کلیان اور ایک فارسی راگ۔
۱۲	فرودست	کانڑا، گوری، پوربی اور ایک عجمی راگ
۱۳	زنگولہ	(بحوالہ قران السعیدین) گردہ بہ گل، بانگ، عراق، آفاق۔ مگر شعر العجم میں ان دو راگوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

Marfat.com

دھرما بھانو ہندی پنڈت موسیقار لکھتے ہیں کہ امیر خسرو ایرانی اور ہندوستانی راگوں سے بخوبی واقف تھے جس کے ثبوت میں اس نے خود امیر کی تصنیف قران السعیدین اور اعجاز خسروی کا حوالہ دیا ہے۔

امیر خسرو نے ستار ایجاد کیا، مردنگ کو ڈھولک میں تبدیل کیا، ایرانی باجہ تنبور کی بجائے بینا ایجاد کیا۔ امیر کے زمانے میں چنگ، رباب، دف، تنبور، شہنائی، بلبک، باترا، ڈھول، عود، باجے موجود تھے۔ اسلامی کلچر کے مصنف نے امیر کے ایجاد کردہ راگوں میں ضلع، مجیر، غزل، بخارہ فرودست قول، ترانہ، نگار، شاہانہ، بسیط، خیال، دہرپد اور قوالی کی طرزوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں قوالی گو امیر کی ایجاد ہے لیکن بعض طرزیں قوالی کی نیاز اور سمائی کی بھی ایجاد ہیں جو امیر کے شاگرد رشید تھے۔

آب حیات میں مولانا محمد حسین آزاد نے بھی تصدیق کی ہے کہ قوالی امیر رہی کی ایجاد ہے۔ جو اسی طریقہ پر گائی جاتی ہے یہی وجہ تھی کہ سلطان المشائخ نے آپ کو مفتاح السماع کا خطاب دیا تھا۔

عبدالمجید لاہوری بادشاہ نامے میں ان واقعات کے ضمن میں جو ۱۰۴۷ھ میں ہندوستان میں پیش آئے تھے۔ لکھتے ہیں کہ خسرو سے قبل ہندوستان کے قدیم گویوں کا مدار گیت، چھند، دہرو، اسنتت پر تھا۔ لیکن چونکہ یہ نغمات کرناٹک طرز اور اسی زبان میں تھے اور دہلی کی طرف کے لوگ ان کو نہیں سمجھ سکتے تھے اور نہ لطف آتا تھا، امیر نے اس حالت کو محسوس کیا اور سب سے پہلے اسی ضمن میں قول قانون پر اس کی بنیاد قائم کی۔

Marfat.com

جو راگ امیر نے ایجاد کیے ان کے بھی اصول اور قواعد مقرر کیے جس کی ترتیب نیرز صغیر اور نیرز کبیر کے اصولوں پر مبنی ہے چونکہ آئندہ اس کتاب میں ہندی راگوں کی بعض اہم اصطلاحات کا بھی ذکر ہے اس لیے جو نقشہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے اس میں ان اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے تاکہ عبارت کے مفہوم کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

ہندی اصطلاحات

نمبر شمار	نام	تشریح
۱	گرنتھ	کتابیں
۲	سروپ	شکل
۳	رُوپ	شکل
۴	سنگیت	نظامِ موسیقی
۵	ٹھاٹ	مجموعہ
۶	دُربل	کمزور
۷	چرن	پیر یا نیچے کا حصہ
۸	مدھ	درمیانہ حصہ
۹	دُرت	تیز
۱۰	بلمپت	سُست
۱۱	اُترانگ	اُوپر کا حصّہ

Marfat.com

۱۲	پوروانگ	نیچے کا حصہ
۱۳	پربند	پرانے زمانے کا ایک قسم کا گانا
۱۴	شدھ مدھم	اتری مدھم
۱۵	تروٹ	اس گانے کو کہتے ہیں جس میں طبلہ یا پکھاوج کے بول شامل ہوں،
۱۶	چترنگ	وہ گانا جس میں چار رنگ شامل ہوں.
۱۷	ترانہ	مخصوص طرز ایجاد امیر خسرو
۱۸	ٹپا	مخصوص طرز ایجاد شوری میاں
۱۹	مشرمیل	وہ گانا جس میں ایک سے زائد راگ شامل ہوں
۲۰	انترا	گانے کا وہ حصہ جو اوپر کے سُروں میں گایا جاتا ہے.
۲۱	استھائی	گانے کا حصہ جو نیچے کے سُروں میں گایا جاتا ہے.
۲۲	سُر	صدائے خوش قائم
۲۳	آروہی	نیچے سے اوپر کی طرف سروں پر جانا
۲۴	امروہی	اوپر سے نیچے کی طرف سروں پر آنا
۲۵	سمپورن	وہ راگ جس میں ساتوں سُر بولیں.
۲۶	انش	وہ سُر جس پر راگ کا دارومدار ہو.
۲۷	نیاش	خاتمہ کا سر
۲۸	وادی سُر	وہ سُر جو سب سے زیادہ نمایاں ہو اس کو انش سر بھی کہتے ہیں
۲۹	سمبادی	وادی سُر کا معاون سُر
۳۰	ان بادی	ان سُروں کو کہتے ہیں جو وادی اور سمبادی کے معاون ہوں

Marfat.com

۳۱	بوادی	دشمن سُر
۳۲	تیور	وہ سُر ہے جو سُدھ سر سے ایک درجہ چڑھا ہُوا ہو
۳۳	کومل	وہ سُر ہے جو سدھ سر سے ایک درجہ اترا ہُوا ہو
۳۴	وَرجت	اس سر کو کہتے ہیں جو راگ میں نہ ہو۔
۳۵	مندر اور مندراستھان	بیچ کی سپتک کے سُر اور نیچے کی سپتک کے سُر
۳۶	اوڈو	جس میں پانچ سر بولیں خواہ وہ تیور یا کومل ہی ہوں۔
۳۷	راگ	اس پکے گانے کو کہتے ہیں جس میں آرو ہی امرو ہی ہو۔ وادی اور سم وادی سر ہوں۔ ان وادی سر ہوں۔ اور وواوی یعنی دشمن سر سے بچنے کا خیال پورے طور پر رکھا جائے۔ بوادی سر ہمیشہ امرو ہی میں استعمال ہوگا اگر ان تمام باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو راگ غلط ہو جائے گا اس کے علاوہ سازوں کی ہم آہنگی اور تال سم کا صحیح معیار پر ہونا بھی ضروری ہے۔

سنگیت رتناکر اور امیر خسرو

ہندوستان میں سنگیت تین ہزار برس پہلے سے باقاعدہ موسیقی رائج ہے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں شام وید اہلِ ہنود کی چار کتابوں میں جو مقدس ہیں۔ ایک کتاب ہے جس کے اشلوک گا کر پڑھے جاتے تھے۔ زمانے کے انقلاب

Marfat.com

کا یہ اثر ہوا کہ شام دید میں بھی تبدیلی ہوئی اور وہ جو سات سر آج موجود ہیں وہ بھی قدیم نہیں رہے۔ ہر بند چند کے زمانے میں جو قواعد موسیقی مروّج تھے اس کو کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کیا ہے اس لیے موسیقی کی تصانیف میں یہ کتاب مستند ہے لیکن اب اس کو سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جو گرنتھ بعد میں لکھے گئے ہیں ان میں اسی عبارت کو بجنسہٖ نقل کر دیا ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ پنڈت سارنگ دیو ۱۲۱۰ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۲۴۷ء میں وفات پائی۔ حضرت امیر کی پیدائش ۱۲۵۳ء میں چھ سال کے بعد ہوئی۔ یہ ثبوت اس بات کا ہے کہ امیر کے ایجاد کردہ راگوں کا تذکرہ کتاب رتناکر میں نہیں ہے اور یہ امیر کی ایجادیں اس کے بعد کی ہیں جس زمانے میں سارنگ دیو پیدا ہوا تھا اس وقت بداؤں کے خاندان کا دارالخلافہ دولت آباد میں تھا۔ چند عجمی راگوں کے نام جو رتناکر میں درج ہیں وہ غالباً ان عجمی گویوں سے حاصل کیے ہوں گے جو شاہان مغلیہ کے دربار میں ملازم تھے اور ہندو گرنتھ کار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

ہندی اور فارسی راگوں کی تقسیم میں یہ فرق ہے کہ فارسی میں بارہ مقام چوبیس شعبے، اڑتالیس گوشے چھ ادارے، بارہ نغمے اور تینتیس لحن ہیں اس کے علاوہ دو مقام اور چالیس شعبے زائد ہیں گویا بارہ مقام اور چونتیس شعبوں سے چودہ مقام اور اٹھائیس شعبے قائم کیے ہیں۔

ہندی موسیقی میں قدیم موسیقاروں کے خیال کے مطابق چھ راگ تیس راگنی، اڑتالیس پتر اور بارہ سر ہونے ضروری ہیں۔ راگوں کے نام یہ

تھے. بھیروں ، مالکوس ، ہنڈول ، دیپک . سری راگ ، میگھ راگ لیکن رفتہ رفتہ اس میں ردّ و بدل ہوتا رہا اور بہت کچھ فرق ہو گیا ہے۔

اس لحاظ سے اگر امیر کے ایجاد کردہ راگوں میں (جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے) بعض ہندی راگوں سے مناسبت پائی جاتی ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے اسی طرح ہندی راگوں میں بھی عجمی یا عربی راگوں کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ امیر کی جدت تو یہ ہے کہ انھوں نے رنگ برنگ اور دِل آویز پھولوں کو ملا کر ایسا گلدستہ تیار کیا ہے جو اپنی خوشنمائی دِل آویزی اور رنگ و بو کے لحاظ سے بے مثل اور لاثانی ہے۔

اِن حالات کو مدِ نظر رکھ کر اگر چار شعبے یعنی حور ، نہاوند ، اصفہانک اور مخالف کو بھی شامل کر لیا جائے تو امیر کی ایجادیں اٹھائیس ہوتی ہیں۔ یہ بھی بعض ماہرین کا خیال ہے کہ پانچ گوشے یعنی موافق ، صنم ، آوان ، فرغنہ بھی امیر ہی کی ایجادیں ہیں۔

بعض لوگ صنم کو نیریز بھی کہتے ہیں . حالانکہ امیر خسرو نے دونوں نیریزوں صغیر اور کبیر سے صنم کو جدا کیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ صنم ، کلیان سے زیادہ مشابہ ہے اور نیریز ، بھیروں ، کافی اور اصفہان سے کیونکہ اسی کا شعبہ ہے اور شعبہ نیشاپور اصفہان سے مشابہ ہے۔ معارف النغمات میں لکھا ہے کہ اہل ہنود کا یلین فن موسیقی نے بھی اپنی پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ موسیقی کی طرزوں کے مختلف اقسام ہیں مثلاً الاپ ، دھرپد ، ساردہ ہوری خیال ، ٹپہ ، ترانہ ، تروٹ ، سرگم ، چترنگ ، قول ، ٹھمری ، دادرا ،

Marfat.com

غزل، قوالی وغیرہ ان میں علاوہ دوسری طرزوں کے مخصوص ترانہ امیر کی ایجاد ہے انھوں نے عجمی انداز پر چند مخصوص الفاظ بھی ایجاد کیے ہیں مثلاً یلا، یلل، تومم، تانا، تادانی وغیرہ جس کو تال اور الاپ کے ساتھ گایا جاتا ہے۔

حکیم محمد کرم امام خان مصنف معدن موسیقی نے لکھا ہے (صفحہ ۲۲۳) کہ سر اور تالوں کے لحاظ سے ہندی اور عجمی راگ تقریباً یکساں ہیں کیونکہ بارہ سروں سے خالی نہیں ہیں اور دونوں میں کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہے مثلاً عجمی راگوں میں مقامات شعبہ، ادارہ، الحان یا آہنگ، صوت، نغمہ، رکھپ، غزال کی مناسبت کھٹ اور دھناسری ہندی راگوں سے پائی جاتی ہے۔ دوگاہ، حسینی، نوروز، اور عجم کی مناسبت سارنگ سے ہے۔ سہ گاہ چہارگاہ، مغلوب، زنگولہ کی مناسبت ٹوڑیوں سے ہے۔ زابل، مخالف عشاق کی مناسبت گوری، پوربی، پوریا، گورا، آسا، بھٹیال سے ہے۔ عراق، اوج، گن کلی، مالسری سے مشابہ ہیں۔ اصفہان اور نیشاپور کی مناسبت زیلف اور بھیروں سے ہے۔ اس طرح نیریز کبیر اور نیریز صغیر کی مناسبت ایمن، بھوپالی، بھیہاس اور جیت سے ہے۔ بعض عشاق کو ہندی راگ نٹ سے مشابہ بتلاتے ہیں۔ نوروز عجم، حسینی اور دوگاہ راگ کافی سے اور بعض ماہرین فن دھناسری سے مشابہ بتلاتے ہیں۔ نوا کو کدارا سے اصفہان کو سارنگ سے عراق کو کانڑے سے، غزال کو آسادری سے دوگاہ کو جیت سری سے، رہاوی، گوشہ، گلستان کو کانڑے سے، بزرگ کو الی اور گورا سے سہ گاہ کو بلاول سے چارگاہ کو بھیرول سے مشابہ بتلاتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت امیر کے زمانے میں جو موسیقار عرب اور عجم سے آتے تھے آپ ان سے کہا کرتے تھے کہ تمھارے ملک کے جن راگوں کو میں نے دوسرے راگوں میں ملایا ہے وہ ان سے بہتر ہو گئے ہیں اور جن ناموں کو تبدیل کیا ہے وہ اس طرح پر ہیں کہ جن کو تم رکھت کہتے ہو ان کو ہم کھٹ کہتے ہیں۔ تم بھاوٹ کہتے ہو ہم دھناسری کہتے ہیں۔ تم عشاق کہتے ہو ہم گن کلی کہتے ہیں۔ حسینی۔ زوگاہ اور عجم کو ہم سارنگ اور کافی کہتے ہیں تم سہ گاہ۔ چہار گاہ۔ مایہ بستہ۔ نگار زنگولہ۔ مغلوب کہتے ہو ہم ٹوڑی کہتے ہیں۔ حرسی اور عراق کو غارہ کہتے ہیں عشاق کو سارنگ یا لبنت، فرغنہ کو گورا اور گن کلی۔ جسے تم نشد کہتے ہو اسے ہم الاپ کہتے ہیں۔ جس کو عرب اور ایران والے مدر کہتے ہیں اس کو ہم ٹیپ کہتے ہیں۔ شرج کو یہاں کھرج کہتے ہیں۔ امیر اکثر ان کو راگوں کے ٹکڑے کرکے اور گا کر سمجھایا کرتے تھے۔

حضرت امیر خسرو اور سلطان حسین شرقی خوش قسمت ہیں کہ انھوں نے اپنی ایجادوں کو سپرد قلم کر دیا تھا۔ بعض مورخوں نے تو یہ لکھا ہے کہ راگوں کا یہ لین دین کسریٰ کے وقت سے ہے مجھے اس رائے سے اختلاف ہے۔ کیونکہ کسریٰ کے زمانے کی موسیقی آج دنیا میں موجود نہیں ہے نہ اس زمانے کے کسی راگ کا کوئی نام جانتا ہے۔ اگر پارسیوں کے عہد کا خیال کر کے لفظ نوروز کا (جو راگ کا نام ہے) کوئی خیالی وجود قائم کر لیا جائے لیکن لفظ حجاز (جو دوسرے راگ کا نام ہے) وہ تو خالص عربی لفظ ہے اور جس راگ کا نام نوروز ہے وہ تو خالص عباسی ہے۔

Marfat.com

معدنِ موسیقی صفحہ ۱۵۱ پر تحریر ہے کہ امیر نے اپنے انداز میں دو دو کھاڈو کو ترمیم کر کے ان کے نام جداگانہ تجویز کیے ہیں یعنی بیراری اور ماسری میں دوگاہ اور حسینی کو ملا کر موافق نام رکھا۔ نوادنی اور مالیر کو ملتانی میں ملا کر مجیر نام رکھا۔ پوربی کا نام عنم اور شہناز کو کھٹ میں ملا کر زیلف نام تجویز کیا۔

کلیان۔ واسکا۔ ویساکھ۔ گوجری۔ گوناڑ۔ سرتی۔ سندھو۔ سندھوی۔ دنٹ۔ ساونت۔ ترون۔ بھوپالی۔ الشٹ۔ منگل۔ بھیرویں۔ مارو اور بنگال راگوں میں فارسی راگ فرغانہ کی مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس لیے فرغانہ نام تجویز کیا۔ بسنت اور سارنگ کا بلحاظ مشابہت عشاق نام رکھا۔ بلاول۔ گونڈ اور سارنگ کو ملا کر سرپردہ نام رکھا۔ کانڑا اور مذکورہ بالا چند راگوں کو ملا کر فرودست نام تجویز کیا۔ ایمن تبریز اور ایک فارسی راگ ملا کر یمنی نام رکھا۔ پوربی بھیاس۔ گوری۔ گن کلی کو ملا کر غزال نام رکھا۔ کلیان میں تبریز کو ملا کر صنم نام رکھا۔ سازگری اور خراسان تقریباً یکساں راگ ہیں۔

حالانکہ پوربی کی سنگیت پوریا سے ہے۔ لیکن امیر نے پوریا رات کی سنگیت کو یمن اور کاموَد سے ایجاد کیا ہے اور قوالی کے راگوں کو بسنت سنگیت سوہنی اور پنچم بہار سے ملایا ہے۔ رام کلی۔ دو ہیں امیر کی ایجاد کردہ قوالی میں بھیردں کی سنگیت نہایت خوشنما ہے اور کلاونتی سنگیت جو ٹوڑی کی ہے اس کو تمیز کرنا مشکل ہے۔ پوریا جو رات کی سنگیت ہے وہ امیر کی ایجاد ہے ابھی ہیں دھناسری مل کر مشہور ہوئی۔ سوہنی کلاونتی سنگیت مالکوس کی ہے لیکن سوہنی قوالی امیر کی ایجاد ہے جس کی سنگیت پرچ ہے اور پرچ کی سنگیت

نگڑا اور سورٹھ ہے اور سورٹھ کا میل دیس اور بلاری سے ہے۔ کالنگڑا مرکب ہے آسا سے اور جاجونتی قوالی میں سنگیت دیس اور سورٹھ کی ہے تاہم دونوں خوش رنگ ہیں اور ٹوڑی اور اساوری میں سنگیت بھیروں کی ہے۔

غارہ سمپورن راگ ہے اس میں سوائے مدھم کے سر کے سب تیور لگتے ہیں۔

ضلع۔ اس راگنی کو امیر نے کافی میں دو ایک سر ملا کر موزوں اور دلکش بنا دیا ہے۔ یہ سمپورن ہے جس میں شرج اور پنچم شدھ اور رکھپ اور دھیوت تیور ہیں۔ گندھار مدھم اور نکھاد کومل ہیں۔

غارا۔ یہ راگ سمپورن ہے اور بجز مدھم سر کے اس میں سب تیور ہیں۔

حسینی کانڑے کو بعض سلطان حسین شرقی اور بعض امیر سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ کافی ٹھاٹ کا سمپورن راگ ہے۔ پنڈت اس کو نیا سروپ بتلاتے ہیں جو پرانی گرنتھوں میں نہیں پایا جاتا۔ جس طرح اڈانہ کو مدھم سے شروع کرتے ہیں اسی طرح پر یہ شروع ہوتا ہے۔ اڈانے سے اس میں کانڑے کا رنگ زیادہ ہے۔ اڈانا۔ میگ۔ حسینی۔ شاہانہ۔ سگھرائی۔ سورملہار۔ ان سب میں سارنگ کا رنگ غالب ہے۔ تارستان کا کھرج اس میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور دھیوت گندھار کی زیادتی اور کمی سے یہ راگ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں۔ کتاب راگ لکشن گیت میں لکھا ہے کہ حسینی کانڑے میں آردھی سمپورن ہے اور امردھی میں نکھاد ورجت ہے اور کتاب ساردا امرت میں آردھی امردھی دونوں سمپورن لکھے ہیں۔ کھرج وادی ہے اور مدھم کا سر سموادی

ہے۔ آروہی اس کی سارے گا ما پا دھی نا سا ہے۔ اور امروہی اس کی سا نا
دھی پا گا ما رے سا ہے۔

قول۔ پنڈتوں نے لکھا ہے کہ اس راگ میں فارسی الفاظ اور صوفیانہ مضامین ہوتے ہیں کبھی ترانے کے بول بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ قلبانہ نقش و نگار بھی سب اسی کی اقسام اور امیر کی ایجاد ہیں۔ تال اس کی مخصوص ہوتی ہے جس کو قوالی کہتے ہیں اور جس کی تعریف محتاج بیان نہیں۔

کتاب راگ درپن میں جو ہندی کی مستند کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ امیر کے باکمال راگوں میں ساز گری عشاق اور موافق جن کا ذکر آگے تفصیل سے بیان ہوگا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ خیال۔ نقش و نگار، بسیط بھی امیر ہی سے منسوب ہیں۔

موسیقی میں مسلمانوں کی سرپرستی

واقعات سے ظاہر ہے کہ امیر کے زمانے میں ہندوستانی موسیقی پربند چھند، وضع کے گانوں تک محدود تھی۔ جو سنسکرت اور برج بھاشا میں گائے جاتے تھے امیر نے سب سے پہلے عجمی موسیقی کے انداز پر ترانہ، قول، نقش و نگار گل وغیرہ گانے ایجاد کیے۔ قدیم سنسکرت گانوں کا نام ناوہ ہے اور نظام موسیقی کو سنگیت کہتے ہیں۔

تقریباً تمام ہندی راگ جن اثرات کے تحت قائم کیے گئے ہیں وہ جذبات نفسانی کو ابھارنے والے ہیں۔ اس کی تصدیق ان قدیم ہندی کتابوں سے ہوتی ہے جن میں عورتوں کے ساتھ جھولا جھولنا، شراب نوشی کرنا وغیرہ

Marfat.com

رکات تصاویر سے ثابت ہے۔ گویا قدیم زمانے میں موسیقی کا مقصد محض
واہشات نفسانی کو مشتعل کرنا تھا۔ ہمہ اقسام کی پرلطف صحبتیں جو ہر راگ سے
سوب ہیں اس کا بین ثبوت ہے۔ میں اس خیال کو تسلیم کرتا ہوں لیکن موسیقی
رف ایک ہی اثر نہیں رکھتی ہے۔ بلکہ وہ ایسی عینک ہے کہ جو رنگ شیشے
ا ہے دنیا اسی رنگ میں رنگی ہوئی دکھلائی دیتی ہے۔ مسلمانوں نے مذہبی
قائد کے لحاظ سے اس کو ناجائز قرار دیا۔ دوم کرناٹکی راگ اور
انے جو گائے جاتے تھے ان سے عام مسلمان اور خصوصاً مغربی اضلاع
د۔ پی کے مسلمان ناآشنا تھے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنی زبان
پنے مذاق اور خیالات کے مطابق موسیقی کو مرتب کیا جائے۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے مشائخ صوفیہ نے محسوس کیا اور امیر خسرو
ے عربی، عجمی اور ہندی راگوں کو اس طرح پر ہم آہنگ کیا کہ جو خمسہ،
غزل اور رباعیات وغیرہ کے واسطے موزوں تھے۔ بالآخر امیر کی یہ کوشش
ار آور ہوئی اور ہندو مسلمان دونوں فرقوں نے اس کو پسند کیا۔ صوفیوں نے
قوالی کو عبادت کا رنگ دے کر عشق حقیقی کی کیفیت پیدا کر دی اور یہ
لرز ایسے مقبول ہوئے کہ ان کی شہرت اطراف عالم میں ہو گئی۔ خدا کی
د و ثنا۔ رسولِ خدا کی نعت سننے کے واسطے دور دور سے اہل ذوق
ہلی میں آنے لگے۔

باوجودیکہ اسلام میں علماء نے موسیقی کو ناجائز قرار دیا تھا لیکن
ایک گروہ صوفیوں کا ہر زمانے میں ایسا ہی رہا ہے جو تصوفانہ غزلیں گا کر

Marfat.com

روحانی سرور حاصل کیا کرتے تھے چنانچہ شمس الدین التمش کے زمانے میں ان کے قاضی سعد الدین صادق اور منہاج السراج کے اثرات سے موسیقی غیر اسلامی شعار قرار دے دی گئی تھی۔ لیکن چشتیہ قاضی حمید الدین ناگوری کی تبلیغ اور اثر سے دہلی کے لوگوں میں دوبارہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ بلکہ ایک زمانے میں تو وہ صحبت ہائے سماع کے رکن تھے۔

شمس الدین التمش نے بھی پابندی کے حکم کو منسوخ کر دیا تھا اور دربار میں بھی اس کی اجازت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد ان کا بڑا بیٹا فیروز شاہ بھی موسیقی کا بے حد دلدادہ تھا، یہاں تک کہ اس نے ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۷ء یعنی ایک ہی سال میں اپنی سلطنت اس شوق پر قربان کر دی۔

شاہ بلبن کے دربار میں بھی موسیقی مقبول رہی اس کے دربار میں عبد اللہ ترکی ایک مشہور گویا بھی تھا اور شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مریدوں میں سے تھا وہی زمانہ امیر خسرو کا تھا۔ جنھوں نے اپنی قرآن السعدین میں کیقباد کی موسیقی کے حالات درج کیے ہیں۔

اس کے پچاس برس کے بعد ۶۸۶ھ میں جبکہ معز الدین کیقباد تخت نشین ہوا اس کے زمانے میں موسیقی کا عروج تھا اور تمام ہندوستان سے گانے والے اور گانے والیاں سمٹ کر دہلی میں جمع ہو گئے تھے۔

جلال الدین فیروز خلجی کے زمانے ۶۸۹ھ میں نامور مغنی محمد شاہ جنگی، فتو حا، نصرت خاتون اور بہروز وغیرہ موسیقار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علاؤ الدین خلجی کے زمانے ۶۹۵ھ میں زیادہ تو نہیں لیکن کچھ سلسلہ

Marfat.com

موسیقی کا جاری رہا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ محمد تغلق کے دربار کا سب سے بڑا گویا اور اس کا داروغہ ارباب نشاط امیر شمس الدین تبریزی تھا۔ الغرض اس زمانے میں دکن اور خصوصاً دولت آباد فنِ موسیقی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس طرح تمام ہندی موسیقی پر عجمی موسیقی کا کافی اثر پڑا اور جس طرح مخارق علویہ نے عربی کی دھنیں فارسی گانوں میں منتقل کر دیں اسی طرح بادشاہوں کے مغنیوں نے اپنے ممالک کی دھنیں ہندوستان میں آن کر گائیں اور نئے نئے راگوں کی بنیادیں قائم ہونا شروع ہو گئیں۔ یہ اسی میل جول کی برکت ہے کہ عجمی موسیقی کے عام پسند راگوں میں زنگولہ جس کو اب جنگلہ اور حجاز کو ہجیج اور نور چکا کہتے ہیں اسی طرح زیلف۔ ایمن۔ درباری عشاق۔ سرپردہ کھاج وغیرہ اسی موسیقی کی پیدا شدہ یادگاریں ہیں جو آج مقبول عام ہیں

بو علی سینا۔ سلطان حسین شرقی اور امیر خسرو کے بعد بھی مسلمانوں نے فن موسیقی کو اپنی ہی سرپرستی قدر دانی اور حفاظت میں پروان چڑھایا ترقی دی اور جس قدر بہترین موسیقار پیدا ہوئے وہ تقریباً سب ہی مسلمان تھے۔ مثلاً امیر خسرو کے بعد گجرات میں عمر سلطان۔ جونپور کے سلطان حسین شرقی۔ شاہِ اکبر۔ محمد شاہ رنگیلے۔ لکھنؤ کے آصف الدولہ بہادر واجد علی شاہ۔ موسیقی کے مربی رہے۔ تان سین۔ تان رس خان۔ نظام الدین سبیت خان۔ بڑودے کے عنایت خان۔ ان کے علاوہ بھی طبلہ۔ سارنگی۔ ستار اور سرود کے ماہر بھی مسلمان ہی تھے۔ مثلاً رحیم خاں دہلوی غلام رضا دہلوی۔ امراؤ خان گونڈہ۔ برکت علی خان عرف سانو لیا

Marfat.com

فرخ آباد - نواب حشمت جنگ فرخ آباد. نواب علی نقی خان وزیر سلطنت لکھنؤ قطب علی عرف قطب الدولہ بریلی شاگرد و پیارے خان۔ خواجہ ڈھاڑی سارنگی نواز ساکن خورجہ۔ بندو خاں دہلوی وغیرہ بے شمار استاد گزرے ہیں جنھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا اور یہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً نوّے فیصدی ہے۔

زبان اُردو کی طرح موسیقی بھی مشترکہ چیز ہے۔ جس میں عرب عجم ہندوستان سبھی کا حصّہ ہے۔

عروض اور قوافی

امیر کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہر پابندی سے بے نیاز تھے۔ وہ فطری شاعر تھے اور اوزان شعر پر ان کو قدرت حاصل تھی۔ مشکل سے مشکل بحر میں بلا تکلف شعر کہتے تھے، چنانچہ مثنوی تہ سپہر میں ایسی بحر کو کام میں لائے ہیں جو مثنوی میں ان سے پہلے کسی دوسرے شاعر نے استعمال نہیں کی۔

ایک مرتبہ کسی شاعر نے ان کو کسی موقعہ پر مورد طعن و طنز بنایا تھا غالباً اسی سلسلہ میں ایک جگہ کہتے ہیں ؎

ایکہ می گوئی مرا خسرو نمی دانی عروض — من چہ محتاج عروضم تا کنم گفت و شنو
نظم سنجیدہ ہمی گویم بموزونی طبع — نکتہ سنجیدہ باشد وقتِ سنجیدن گرو
می ترازو دارم و تو در ترازو می نہی — کیست زین ہر دو فرا ہم خود دریں سنجیدہ شو

Marfat.com

بحر اور اوزان

چونکہ گانے کا تعلق نظم سے ہے اور نظم بلا کسی بحر کے منظم نہیں کہی جا سکتی اور بحر کے واسطے اوزان کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بلا اس کے تال اور سم کا ساتھ نہیں ہو سکتا اس وجہ سے امیر خسرو نے بحر اوزان اور تال سم کے بھی قواعد مقرر کیے۔ ہندی گانوں کا دارومدار سم پر ہے اور تال سم پر ہے۔ فارسی میں اسی کو نغمہ، ادارہ اور اوزان کہتے ہیں اور تمام عجمی گانوں کا دارومدار ویرہ اور نغمہ پر ہے۔

ہندی تالوں میں ساڑھے بارہ تالیں بتلائی جاتی ہیں اور امیر نے چوبیس ۲۴ بحروں میں تالیں ایجاد کی ہیں جن کے اقسام حسب ذیل ہیں:

بحر ہنسرج۔ بحر ترکی۔ بحر دومک۔ بحر دور۔ بحر ثقیل بحر خفیف۔ بحر چہار ضرب۔ بحر درافشاں۔ بحر مابین۔ بحر ضرب الفتح۔ بحر فاختہ۔ بحر رمل۔ بحر تقارب۔ بحر طویل۔ بحر رجز۔ بحر کامل۔ بحر بسیط۔ بحر تصرنج۔ بحر منسرح۔ بحر سریع۔ بحر مجتث۔ بحر مرتفع۔ بحر مقتضب۔ بحر وافر۔

ان بحروں کے علاوہ جو ہیں ان کی تشریح یہ ہے:

بحر التقارب المثمن المقصود

ایا عارضت رشک خورشید و ماہ — گرت در تقارب شود اشتباہ
فعولن فعولن فعولن فعول — بخوانش دریں وزن ہر صبح گاہ

Marfat.com

بحر المتقارب المثمن السالم

زشرم رخت لالہ را خوں شد دل   زرشک قدت سرو را پائے گل
فعولن فعولن فعولن فعولن   تقارب ازیں وزن گردید حاصل

بحر المجتث المثمن المقصود

نسیمے بہ گلشن چنانہا قدِ تو سروِ رواں   رُخ تو بر فلکِ دلبری مہرِ تاباں
مفاعلن مفالاتن مفاعلن فعلات   بگوائے محبت این بحر را خوش برخواں

بحر المجتث المثمن المخذوف

بزیر در صدفِ سینہ اے سپہر پرور   ز بحر دلکش محبت سفینہ ہائے گہر
مفاعلن مفالاتن مفاعلن فعلن

بحر الرمل المثمن المخذوف

اے بہار یکے میانت ہمچو موئے در کمر   غنچہ از رشک دہانت میخورد خونِ جگر
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

بحر الخفیف المسدس المخذوف

اے غلط رفتہ مشک تاتارے   ذوق بحر خفیف کردارے
فاعلاتن مفاعلن فعلن   گوئے چوں بلبلانِ گلزارے

بحر الہزج الرباعی المحذوف

گل غنچہ ز شرم دہن ہست در سراب — گردیست دامن گل بر عطر است
مفعول مفاعلن مفاعیل و و فاع — بحر ہزج ایں ست گر اندک نگرست

بحر الرجز المثمن السالم

اے ماہ روئے کمسنی وے دلبرے شیریں دہاں
خورشید رویاں را شدہ ذکر لبت حرزِ زباں
مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن
ایں ست تقطیع رجز بر خواں چو محمل بر زباں

بحر المضارع المثمن المحذوف

اے سیمبر کہ ہست رخت ہمچو خارہ لخت
خال درہوائے عمل تو چوں بیت لخت لخت
معفول فاعلات مفاعیل فاعلات

× • × • ×

قواعدِ تقطیع

تقطیع کو زیادہ سریع الفہم بنانے کی غرض سے نیز بحر کا تعلق اوزان

Marfat.com

اور موسیقی سے بتلانے کی غرض سے ذیل کا طریقہ پیش کیا جاتا ہے :

تقطیع اوّل تقارب المثمن کو طبلہ کے ایک تالا ٹھیکہ کے ساتھ سمجھیے

کریما بہ بخشائے بر حال ما
کہ ہستم اسیرِ کمندے ہوا

یہ تو ہے شعر بحر اس کی فعولن فعولن فعولن فعول ہے۔ اس بحر کے گویا چار حصے ہیں۔ ان حصوں کی گردان اس طرح پر ہے

کریما فعولن۔ بہ بخشا فعولن ئے بر حال فعولن لِ ما فعول

یہ ٹکڑے تقطیع میں یکسانیت پیدا کرنے کے واسطے کیے جاتے ہیں شعرائے متقدمین نے بھی حرفوں کے ٹکڑے عروض میں جائز قرار دیے ہیں۔

موسیقی سے ان ٹکڑوں کی یکسانیت پیدا کرنے کی غرض سے یکتالہ ٹھیکہ مقرر فرمایا ہے یعنی۔ دھی۔ ترک۔ دھنا۔ دھا۔ تو۔ نا۔ کتا۔ گانے میں اس تال کی ضرب برابر چلی جاتی ہے اور دوسری دھی پر صورت سم کی ہے۔ اور بحر ہذا میں لفظ فعول رکن چہارم پر ظاہر ہوتا ہے اور آٹھویں بحر المثمن السالم میں بھی کہ جس کے چاروں حصے برابر ہیں ٹھیکہ ایک تالا نہایت موزوں ہے اور ٹھیکہ جھپ تالے میں بھی یہ وزن صحیح ہوتا ہے۔ ضرب کے علاوہ دونوں تالوں کی ایک صورت ہے۔ چنانچہ چوتالا دھرپد کا ایک ہی طرح یک تالے میں بھی گانا بجانا ممکن ہے۔

حضرت امیر خسرو نے بحر رمل المثمن المخذوف کا وزن تتالا تال فارسی میں موزوں کیا ہے۔ یہ تتالا چار ضرب کا ہے یعنی تین بھری اور ایک خالی۔

Marfat.com

اور ان تین میں سے دوسری یعنی وچیچ کی ضرب پر سم ہے۔ اس طرح پر چار رکن بحر مذکور کے ہیں مثلاً فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ فاعلن۔

تقطیع بحر ہذا ملاحظہ ہو۔ مصرع یہ ہے

"اے بیارے کے میانت ہچو موئے در کمر"

اے بیارے	کے میانت	ہچو موئے	در کمر (خالی)
فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن (خالی)
تادھن دہا دہا	دھن دہا دہا	دھن دہا دہا	تن تا (خالی)

غور فرمایئے کہ تن تا کا درجہ خالی رہا اور فاعلن آخری رکن خالی پر پڑا اور لفظ در کمر کے مقابلہ میں خالی دھی اور دوسرے رکن کے فاعلاتن پر سم ہے اور اس سے پہلے لفظ کے اوپر سم ہے اور اس سے مقابلہ میں دوسری دھی پر سم ہے یہ تال چار ضرب کی کہلاتی ہے جن میں تین ضرب بھری اور ایک خالی ہے

بحر خفیف المسدس المخذوف جس کا وزن تال سول فاختہ پر ہے۔

اس میں چیپک تال ہے اور یہ دونوں تین تین ضرب کی ہیں۔

اے نخطت رشک مشک تاتارے

ذوق بحر خفیف گرد آرے

سول فاختہ میں دو ضرب اول کی برابر ہیں اور ایک ضرب آخر میں وقفہ دے کر پڑتی ہے پہلی ضرب فا پر اور دوسری ضرب لا پہ اور تیسری ضرب مفاعلن

Marfat.com

کا مد چھوڑ کر بطور وقفہ حصہ سوم کے لفظ لُن پر پڑتی ہے۔ مذکورہ بالا شعر کا وزن اور ٹھیکہ یہ ہو گا فاعلاتن مفاعلن فعلن۔ یہ ٹھیکہ سات لفظ کا ہے۔ یعنی دَہ دَہ تک دَہَ۔ دَہ نہ تک۔ اس کی اوّل ضرب خود سم ہے۔ پہلی دَہ پر اور دوسری تک پر اور تیسری ضرب دوسری تک پر اور تیسری ضرب دوسری تک پر ہونی چاہئے اور تال چپک میں ضرب اول کے حرف فا پر اور دو ضرب برابر رکن دوم فاعلن کی ضرب کا آخری حصہ دوسرے رکن سوم کی طرف فا پر اور تیسرے لفظ لن پر پڑنا چاہئے۔ صرف اس قدر فرق سول فاختہ اور چپک میں پایا جاتا ہے۔ البتہ منقلب کرنے سے تال تبدیل ہو جاتی ہے۔

امیر کی ایجاد تال سم

اس ایجاد کے سلسلہ میں ماہر موسیقی دولت شاہ اور حکیم محمد کرم خاں وغیرہ نے لکھا ہے کہ امیر نے پکھاوج کی بجائے ڈھولک اور طبلہ ایجاد کیا اور ان کے بجانے کے قواعد مقرر کر کے امیر نے سترہ تالیں قائم کیں جن میں فارسی کے قواعد کو بھی ملحوظ رکھا۔ یعنی اوّل خمسہ پانچ تال سواری چار تال۔ فرودست پانچ تال۔ پہلوان چار تال جھپت تین تال زنانی سواری پانچ تال اور سات تال۔ پشتو ایک تال۔ اور اگر ضرب کی دم دی جائے تو تین تال کی صحیح ہے۔ آڑا چوتالا چار تال، قوالی تین تال دو بھر تین تال۔ جھومرا تین تال (رد پک تال ہندی ہے) سول فاختہ

تین تال (یہ مشابہ ہے ہندی کی چپک تال سے) جس کے معکوس کرنے سے سول چپک اور چپک سول ہو جاتی ہے۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ امیر نے چار بول یعنی چار لفظ ڈھولک کے پکھاوج میں سے جداگانہ نکال کر تالیں مقرر کی ہیں یعنی کر، کڑاں، گت، جھا۔ ورنہ خالص یہ پانچ بول ہیں۔ کر۔ جھن۔ اٹٹ۔ گھن۔ نا۔

جس وقت امیر خسرو نے بجائے پکھاوج کے ڈھولک ایجاد کی تو اس کے قواعد اور بول علیحدہ کر کے کتنیں ایجاد کیں۔ پکھاوج میں پہلے چار لفظ یہ ہیں تد، دت، ہن، نا۔ امیر نے ان کی بجائے یہ چار بول قائم کیے یعنی کڑ، ڑان، کٹ، جھا۔ اس کے بعد جھن اور جھٹان، گھن اور گھناں۔ کا۔ تا۔ نا۔ گی۔ دھی وغیرہ سے سترہ تالیں مطابق اوزان عجمی کہ جن میں تیرہ بحور میں مروج کیں۔

پشتو۔ ذوبحر۔ قوالی۔ سول ماخته۔ جت۔ تتالہ۔ سواری۔ آڑا چوتالا۔ جھومر۔ زمانی سواری۔ داستان۔ خمسہ۔ فرودست۔ قید۔ پہلوان۔ پٹ تال۔ چپک تال۔

۱۔ پشتو میں نقش گل رباعی وغیرہ گانے گائے جاتے ہیں۔ ٹھیکہ اس کا چھ حروف کا ہے۔ دھن۔ دھگ۔ تہ۔ ٹا۔ نہ۔ کے اس میں پہلی ضرب پر سم ہے اور دوسرے طریقہ سے دوسری ضرب پر بھی سم ہو سکتا ہے۔ دا اور دھی۔ دو اور دھی دوسرے کو کہتے ہیں۔ یعنی تہ پر سم ہوا اور تیسری ضرب دوسری دھن پر پڑی

Marfat.com

اور دوسرے دورے کی تہ کی ضرب لفظ خالی پر پڑتی اس طرح دونوں ترکیبیں ممکن ہیں۔

۲- ذوبحر: ذو کے معنی دو کے ہیں۔ اس لیے یہ ذوبحرین ہیں۔

۳- فرودست: اس تال میں سات الفاظ ہیں۔ دھن۔ دھی۔ نا۔ دھا۔ گے۔ تو۔ نا۔ اس میں برابر ضرب ہندی ایک تالہ کی طرح پر ہے اور سم پہلی ضرب دھن پر ہے۔ یہ ٹھیکہ تین تال کا بھی ہو سکتا ہے۔ دو اور دے میں دوسری ضرب جب دھا پر پڑتی ہے وہی سم ہو جاتا ہے۔ اس تال میں غزل کے علاوہ ٹھمری بھی گائی جاتی ہے۔

۴- سول فاختہ: اہل تصوف کا یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ یاد الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں تو دل پر اللہ کے نام کی ضرب لگاتے ہیں جس کو شغل کہتے ہیں مثلاً ضرب فاختہ ہے تو لفظ حق دل سے نکالتے ہیں اور لفظ سر پر جھٹکا دے کر زور سے آواز نکالتے ہیں جس کو وہ اپنی اصطلاح میں ضرب کہتے ہیں چونکہ حضرت امیر کو بھی تصوف سے کمال ذوق تھا۔ انھوں نے اس رعایت کو ملحوظ رکھ کر ضرب الفتح۔ ضرب الثقیل۔ مخمس۔ درافشاں۔ ترکی وغیرہ تالوں کے بھی قواعد مقرر کیے۔ بہرحال سول فاختہ میں تین ضربیں ہیں اور پہلی ضرب سم پر ہے۔ ٹھیکہ دس لفظ کا ہے۔ دھن دھن / دھا ترکٹ / دھن دھن / دھا ترکٹ / تن نا /

پہلی ضرب برابر اور تیسری ضرب دم دے کر پڑتی ہے۔ ہندیوں کو اس طرح پر سمجھاتے ہیں کہ فاختہ پرند جب حقا کی آواز نکالتی ہے تو قاف

Marfat.com

پر دو ضرب برابر کی پڑتی ہیں یعنی شروع جائے حطّی سے تیسری ضرب قو پر دم،
یعنی وقفہ دے کر پڑتی ہے اور سم حرف جا پر یعنی جو اوّل ضرب ہے مقرر کیا گیا ہے

۵ - جت - یہ تال ہوری سے مشہور ہوئی ہے۔ یعنی اس تال پر نقش گل کے علاوہ ہولی غزل ٹھمری بخوبی گائی جاتی ہے۔ لیکن عام طور پر یہ ہولی کے واسطے مخصوص ہے، اس میں تین ضربیں ہیں، دوسری پر سم ہے ٹھیکہ اس کا تو الفاظ کا ہے۔ دھن۔ جھا۔ دھن۔ دھا۔ دھن۔ جا۔ گے۔ تن۔ تا۔ بہر حال دوسری پر سم ہے اس لیے لفظ دھا پر دوسری ضرب ہے اور سم ایک ہو جاتا ہے اس کے بعد پرن اور لے داری تیز دستی پر منحصر ہے۔

۶ - چار تال اکتالہ اس میں تین ضرب پوری ایک خالی ہوتی ہے۔ باقی حصے کو وقفہ اور دم کہتے ہیں۔ بجانے والا جب پلٹتا ہے تو ضرب اوّل پر پہنچتا ہے بس اسی کو سم کہتے ہیں اور کوئی تال ایسی نہیں ہوتی جس میں سم نہ ہو۔ موجودہ زمانے میں اس ٹھیکہ کو ستار خانی یا ستارخانی بھی کہتے ہیں۔ ورنہ اصل اس کی ٹیپ ہے۔ جس کو بلمپت کہتے ہیں اور اس میں وقفہ ایک حرف سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر یہ کی صورت الگ کی جائے تو صورت ستار بے کی صرف بٹہ رہ جاتی ہے۔ تین ضرب متحرک کے عرصہ میں وقفہ خالی اور بھری کا یکساں ہے۔ اس کے کل آٹھ حروف ہیں مثلاً ضرب الف۔ ضرب الف۔ خالی الف اس کے بعد ضرب سے شروع کرے اور ضرب کی بجائے تو آگے چل کر صرف الف شمار میں رہ جاتے ہیں۔ ٹھیکہ اس کا بارہ لفظ کا ہے۔

دھن دھن / دھاترک / تو نا / ک تا / دھاترک / دھی نا / آخری

× ۵ ۲ ۵ ۳ ۴

ضرب کا وقفہ خالی ہے اور بعد اس کے تا زمانہ دھن تا سکون اور تا ضرب متحرک یعنی دو ہیں اور درمیان میں دونوں تا خالی سے خالی نہیں ہیں۔

۷۔ سواری: یہ تال چار ضرب کی ہے اور ہر ایک ضرب کے بعد کے زمانہ کا وقفہ خالی ہے اور چاروں ضرب کے بعد وقفہ برابر ہے۔ چاروں ضرب متحرک ہیں، ٹھیکہ اس کا بیس لفظ کا ہے۔ دہ دہ نا دہ ترکھٹ دھج جا کت تا دھی دھی تا دھی دھی نا تی ترکٹ تن نا دھا تگے تو نا کٹ تا کٹ تا۔ لفظ دھج پر سم تصور کرنا چاہئے۔

۸۔ آڑا چوتالہ۔ اس تال میں بھی چار ضرب ہیں۔ جن میں چار ضرب بھری باقی خالی ہیں، تیسری ضرب پر سم ہے۔ ٹھیکہ اس کا چودہ ماترے کا ہے۔ دھی دھی / دھا ترک / تورُا / دھی دھی / نا دھی /

سم ۲ ۵ ۵ ۴

دھی تا /۔ بعض نے یہ ترمیم کی ہے۔ دھی دھی نا۔ دہ دہ نا۔ دھی ترکٹ دھج جا۔ دھا گے تو نا کٹ تا۔ اس میں پانچویں دھی پر تیسری ضرب پڑتی ہے گویا دھی سم ہوا۔ اسی میں دو ضرب برابر پڑتی ہیں اور دو ضرب میں ایک ایک ضرب کا وقفہ خالی دیا جاتا ہے۔

۹۔ جھومرہ یہ تال تین ضرب کی ہے اور ایک ضرب کا وقفہ تین ضربوں کے بعد خالی دیا جاتا ہے ٹھیکہ اس کا چودہ لفظوں کا ہے:

دھن دہ ترکٹ / دھن دھن دھاتت / تن تا ترکٹ /
سم

دھن دھن دھاتت /۔ بعض نے اس تال میں یہ اضافہ کیا ہے کہ دوسری

Marfat.com

ضرب پر سم رکھا ہے اور دوسری دھی پر سم ٹھہرتا ہے اور تال ہندی دو تک (باوجودکہ دو ہی ضرب کی ہے) مگر جھومرا روپک میں اور روپک جھومرے میں کھپ جاتی ہے۔

۱۰۔ سواری زنانی: یہ تال پانچ ضرب کی ہے۔ اس میں پانچویں ضرب پر ایک ایک ضرب کا وقفہ خالی رہتا ہے۔ زنانی سواری میں تیس ماترے اور مردانی سواری میں بتیس ہیں۔ دھی تاک دھی تاک / دھی دھی تاک / دھی دھی تاک / تی تا / سم، تی تا ترکٹ / دھی تا دھی دھی / تا دھی دھی تا / دھی ای تا / آدھی ای دھی / ای تا آدھی / دھی تا دھی دھی تا / اوّل پشتو دوم ذوبحر سوم قوالی چہارم سول فاختہ وغیرہ جیساکہ بیان ہو چکا ہے ہولی اور قوالی میں رائج ہیں۔

۱۱۔ داستان: یہ تال پانچ ضرب کی ہے اور نقارے میں بجائی جاتی ہے۔ ٹھیکہ اس کا بیس لفظ کا ہے کا تا کا تا کت کت کا تا کت گی دھی گھج جا کت گی دھی گی دھی گی دھی گھج جا۔

اس میں پانچوں ضرب پر سم ہے دو ضرب کے بعد دو دو ضرب کا یا ایک ایک ضرب میں تین ضرب کا وقفہ خالی رہتا ہے اور تین ضرب برابر مثل تال تیورا ہندی کے پڑتی ہیں اور آخر میں لفظ جھا پر سم ہے۔ وقفہ کا زمانہ اس تال میں رکھنا دشوار ہے اور پہلی ضرب تیسری تا پر ہے دوسری جھا پر ہے، تیسری دھی اور چوتھی گھج پر اور پانچویں تال جھا پر ختم ہوتی ہے۔

Marfat.com

۱۲۔ خمسہ : اس تال میں پانچ ضربات ہیں اور پانچویں پر سم ہے اور اور ہر ضرب کے برابر کے وزن کی ہے۔ سم ۱ ۲ ۳ ۴ بعض اس کو فرودست تال خیال کرتے ہیں یہ غلط ہے، کیونکہ وہ چھ تال کی ہے اور یہ پانچ تال کی ہے۔ دھن دھن دھا دھا دھن دن تا ننت دھا کھتک بھتک دھا کھتک دھنک۔

دوسرا ٹھیکہ

دھن دھن گو دھا ترکٹ دھنا کتی ڈھگنگ کھتک ڈیلنگ گھتگ۔

۱۳ فرودست : اس کی تال چھ ضرب کی ہے اگر حساب میں خالی کی جگہ چھوڑ دی جائے تو پانچ تال شمار میں آتی ہیں اور اگر خالی کو شمار کیا جائے تو چھ تال ہوتی ہیں۔ بعض لوگ اس کو خمسہ کے ٹھیکہ کے طور پر بجاتے ہیں د، غلط ہے اس کے چودہ ماترے ہیں۔ دھا گے ترکٹ / تا گے ترکٹ / ننت تا ترکٹ / دھن دھا / دھن دھن / دھا گے تک گھن /

۱۴ قیدی : یہ تال چار ضرب کی ہے لیکن بعض پانچ کی اور بعض سات کی بھی ہیں جیسا کہ زنانی سواری میں بھی ہے۔

۱۵	پہلوان	ان دونوں کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی۔
۱۶	تال پٹ	

۱۷ چپک : یہ تال مثل سول فاختہ کے تین ضرب کی ہے اس کے تبدیل ہونے کا یہ امکان ہے اگر چپک کو ملیٹو تو سول فاختہ اور سول فاختہ

Marfat.com

کو پلٹو تو چپک ہو جاتی ہے۔ یعنی پہلی ضرب کے بعد خالی وقفہ میں ایک ضرب اور پھر دو ضرب اور پھر دو ضرب برابر پڑتی رہیں۔ اس ٹھیکہ میں بھی بعض نے یہ تبدیلی کی ہے کہ سات لفظ کا ہے۔ دَھم کرٹ تک دھا دھا کٹ تک، اس میں تیسری ضرب جو دوسری دھا پر ہے وہی اس کا سم ہے اور پہلی ضرب جو دَھم پر ہے وہاں سے لے کر کٹ تک کا زمانہ خالی ہے۔

١٨۔ پشتو۔ چار تال تت ک دھن / دھا دھا / دھی ان /

ان سب کے بعد امیر خسرو نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جس طرح سول فاختہ کی تال میں اول دو ضرب لفظ حقا کے اور دونوں تالوں پر ایک ایک ضرب ہے اور تیسری حرف تو پر ہے، اسی طرح چپک تال بھی صدائے قمری پر تصور کرنا چاہیے کیونکہ وہ حق سرہ کہتی ہے اس لیے اس تال میں پہلی ضرب لفظ حق پر ہے اور دو ضرب میں ایک ضرب سر اور دوسری ضرب ہُو پر ہے اور دونوں ضربیں برابر پڑتی رہیں یعنی جس طرح کہ شروع میں دو ضرب اور آخر میں ایک ضرب سول فاختہ میں ہے۔ تال چپک میں اول ایک ضرب ہے اور آخر میں دو ضرب رہیں۔

فارسی ترانہ مع تال اور سم

تننھ درنانا در در نم	تنہ درنانا در در نم
دو بیسک	دو رویہ
وش وشش لون	وش وش لون وش وش لون

Marfat.com

وش وشش وش وش

روانی

وش نکه وشش لون

نیم دور

وش لون نکه وشش

وش وش لون

ناله

وش نه وشش لون

خنجر

وش لون لکه وش وش

لون وش وش لون لون

سماعی

وش وش لون لکه وش لون

وش وش ——— لون

شک ضرب

لکه لکه لگا وشش

وش وش لون لون وش وش

وش وشش لون

بسیت

وشش لون وشش

وش لون

چپ انداز

وش نه وشش لون

نیم ثقیل

نکه نکه نکاوش نکاوشش نکه نکه

نکاوش نکاوش وشش لون

مخمس

لکه لکه لکاوشش لکاوش

لون وش وش لکه لکه لکهاوش

دور حقیقی

وش لون لون وش لون

لون وش لون وشش لون

وش وشش لون وش لون

وش لکه وشش لکه

ضرب فاخته

وش وشش ون

قلبانہ

قلبانہ کی اصل قلبَہٗ ہے امیر خسرو نے زبان عربی کو ہندی میں ملایا ہے تال سواری اور تتالہ استائی بول ہیں لَقَدْ صَدَقَ قَوْلُہٗ تَعَالیٰ " انترا امیر خسرو بل بل جاویں"۔ حضرت نظام الدین کے دربار گادیں۔

قلبانہ اور قول کہ جس کی اصل قولہ ہے کچھ عربی اور کچھ الفاظ ترانے کے ملاکر ایجاد کیا ہے۔ استائی تال تتالہ۔ حتیٰ یا درد رتا لالا سے۔ حسن و نظام الدین اولیا دیم دیم در در در تتنے۔ تان یہ ہے تلے تنا ناتا نا نا نا نا۔ انترا یہ ہے۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْ فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہ در تم درتم توم توم تنا نا نا تا۔ در دے تلے تلے دراجالم دیم دیم در در در در تلے تان تلے نا نا نا، اس کے بھی انترے سے تال بدلتی ہے اور نقش گل میں تال نہیں بدلتی ہے اکثر یہ تال پشتو اور قوالی میں گائی بجائی جاتی ہے۔

نقش سے مراد رباعی اور گل سے بیت ہے گویا مختصر سا ایک شعر ہے بقیہ اوروں میں تالیں بدلتی ہیں اور دھرپد کی بجائے کہ اس میں چار پانچ چرن ہوتے ہیں (اور بعض میں دو چرن بھی ہوتے ہیں) امیر نے خیال مقرر کیا۔ جس میں صرف دو ہی چرن ہیں لیکن تانیں اس میں بجر اور عجمی زمزمہ پر رکھیں جس کو فی زمانہ گٹکری کہتے ہیں۔

اصلیت یہ ہے کہ ہندی میں پہلے گٹکری نہ تھی اور اب بھی اس میں دلنے کا پڑجانا عیب میں داخل ہے اسی وجہ سے امیر نے اس کی بجائے پر نبد

Marfat.com

کا ترانہ بنایا اور وہ ایسا مقبول ہُوا کہ سننے والوں کے علاوہ خود گانے والے بھی محوِ حیرت رہ گئے۔

ڈھولک اور طبلہ بھی پکھاوج پر غالب آگئے اسی طرح ستار کے بولوں نے بین کے بولوں کو شرما دیا۔ اِس زمانے میں بھی قوال تقریباً ہر جگہ موجود ہیں لیکن ایسے بہت کم ہیں جو قول اور قلبانہ سے بخوبی واقف ہوں ورنہ عام طور پر جو خیال وغیرہ گاتے ہیں وہ بھی قوال کہلاتے ہیں۔

جیساکہ شروع میں بیان ہو چکا ہے امیر نے دہرو، دھوا، ماٹھا، چندو پربند، گیت، دہرپد کی بجائے خیال۔ قول۔ قلبانہ۔ نقش گل اور ترانہ ایجاد کیے اور جس طرح پر کہ دھوا، ماٹھا اور چندو کی تالیں بدلتی ہیں، اسی طرح قول قلبانہ وغیرہ میں بھی تالیں بدلتی ہیں۔

قدرتی طور پر جوش اور جذبہ کی حالت میں جو الفاظ ہائے ہُو وغیرہ کے نکلتے ہیں ان کو حضرت امیر نے ان الفاظ میں منتقل فرمایا۔

"تانوں بروزن تو۔ وان بروزن جان واین مقرر کرکے الاپ بروزن کباب مقرر کیا۔ اِس سے زیادہ الاپ اس چھ قسم کی قوالی یعنی خیال قول۔ قلبانہ۔ نقش گل اور ترانے میں نہیں ہیں اگر ہیں تو معیوب ہیں۔

یہ راگ گویا امیر کی امانت ہیں۔ ان میں ترمیم تنسیخ اور اس امانت میں خیانت نازیبا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے رفتہ رفتہ یہ راگ معدوم ہو جائیں گے یا ان کی شکل تبدیل ہو جائے گی۔ الاپ یا مُرکی اور گٹکری ایک جُداگانہ چیز ہے جو گانے کو پُرلطف بناتی ہیں لیکن اگر ان سے اشعار کے الفاظ کٹ جائیں اور

ناقابل فہم ہو جائیں تو وہ عیب ہیں داخل ہے اس کے گانے میں جو تان لی جائے وہ بھی اسی راگ کی ہونی چاہئے جس میں وہ غزل گائی جا رہی ہو۔ اگر ان دونوں باتوں کا لحاظ نہ رکھا گیا تو قوالی بے لطف ہو جاتی ہے۔

ترانہ

ترانہ بروزنِ فسانہ ولفظ تنا بروزن ثنا، یسم وَدر بروزن سر اور نا بروزن جا اور توم بروزن سوم، تنا بروزن فنا، اس کے علاوہ اور حرف مفردات مثلاً تا، دال، نون، الف یا میم، را، واؤ۔ یہ آٹھ حروف ہیں ان کے علاوہ سرکٹ، تروٹ، بروزن سلوٹ مستعمل ہیں اگر آٹھ حروف سے زیادہ ہوئے تو ترانے کے شمار سے باہر ہو جاتے ہیں۔

امیر نے ترانہ بزبان فارسی ایجاد کیا۔ یعنی در آ آ۔ در آ آ۔ در تنم۔ در آ جان من۔ در آ۔ در آ۔

بتنگ آمدہ ام چند انتظار کشم
بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کشم

ترانہ سو ہے کا اور تال فرودست کی ہے دراصل اس کی تال خمسہ کی ہے۔
ترانہ یہ ہے: درا درا نیلے۔ در دا تے ما اشل لایئے۔ اشل لایئے۔ تلا یلے۔ پہلے کی خالی سے شروع ہے

برندی و بشوخی ہمچو خسرو
ہزاراں خانماں برکندہ باشی

ستار

امیر نے بین کی بجائے ستار ایجاد کیا۔ بین میں سات تار دو توبنی اور ساریں ہوتی ہیں اور دو مضرابوں کو چھنگلیا انگلی میں پہن کر بجائی جاتی ہے وہ ساز جن میں تار ہوتے ہیں ان کے بجانے کے صرف دو ہی طریقے ہیں یا تو مضراب سے یا بالوں کے کمانچہ سے۔ مضراب کو تت اور کمانچہ کو تبت کہتے ہیں اور لکڑی کے ٹکڑے کو جس سے بجاتے ہیں۔ اس کو گھن کہتے ہیں۔

ستار کا اصلی ابتدائی نام سہ تار اور سرود کا سہ رود ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ان دونوں باجوں میں پہلے صرف تین تار تھے اور تین تانت تھیں۔ امیر نے ستار میں ایک تار آہنی اور دو برنجی لگا کر نصف تونبہ سے بین کی مشابہ بنا دیا۔

ستار میں ایک سبتک کامل اور دو سبتکیں ناقص ہیں۔ یعنی سبتک اوّل مدھم سے سبتک میانہ تک اور (سبتک دوم) سبتک میانہ سے گندھار تک ایک سبتک زائد چڑھی ہوئی خط گندھار تک رہتی ہے۔ جس کو امیری سبتک کہتے ہیں البتہ بیچ کی سبتک کامل ہے۔

حضرت امیر نے جو قواعد مقرر کیے وہ یہ ہیں :-

بیچ کی سبتک کو کامل کیا، جب یہ تین سبتکیں مقرر ہو گئیں تو ترتیب کے ساتھ اس میں چھ تار اس طرح پر رکھے کہ :

اوّل تار باج کا، دو تار برنجی کھرج کے، ایک تار آہنی پنجم کا ایک

Marfat.com

برنجی گنڈہ اور پھر ایک تار آہنی اس کی برابر جس کو چکاری کہتے ہیں، جو تار برنجی ہیں وہ کھرج کہلاتے ہیں، جو باج ہیں ان کو بحساب مدھم کوک کہتے ہیں، سیدھے ہاتھ کی طرف کھرج آہنی اور برنجی ہوتی ہے، پنچم اور چکاری ہم وزن مدھم ہوتے یا سر کے مطابق ہوتے ہیں اور سبتک دوسری اور تیسری ہیں کام آتی ہے۔

سبتک اول میں قواعد کوک ستار کے اس طرح پر ہیں کہ : ڈرا ڈرا ڈر (یہ لفظ سیدھے ہاتھ سے نکلتے ہیں) اور لفظ ڈاؤن میں آواز بائیں ہاتھ کی انگلی سے نکلتی ہے جس مینڈ کہتے ہیں۔

ڈر ڈر انگلی کو اوپر سے نیچے کی طرف کرنے سے پیدا ہوتی ہے جو بائیں ہاتھ کی بیچ کی انگلی سے تار کو کھینچ کر پیدا کی جاتی ہے مثلاً ڈر ڈر ڈراڑ با ڈر ڈر در ڈڑر ددڑ در ڈر، ڈر، ڈرار، ڈرار، ورار، با دا، را، رارا، یا درڑ، ڈرڈ مقرر ہیں۔ اس کے بعد کمال حاصل کرنا ریاضت پر منحصر ہے۔

گت مین : دِر دا دِر دارا (دادا سم) را۔ دِر دا دِر دارا (داخالی) دارا۔

جب ٹوڑا گت ختم ہو تو پھر گت کو اوّل سے ملا دو۔ دارا دا دارا

— دِر دا دِر دارا (داخالی) دارا۔

دِر دِر دارا (دا سم) در دارا، دا در دارا (دا دارا خالی)

گت ذیل : (تال تتاگر) دِر دا در دارا (دادا سم) را دردا در دارا (دادا را خالی) را در دا دِر دارا (دا دا را خالی)

دردا در دارا (دا در سم) دارا دا در دارا (دا در سم) دارا دا در دارا (دا دا را خالی) ٹوڑی کے بعد گت اس طرح شروع کی جائے۔

دِر دا دِر دارا (را سم) دارا۔

دِر دا دِر دارا دِر دا دِر دارا (دا سم) در دا دا دا دِر دارا (دا دا خالی) را۔

دِر دا در دارا (دا در سم) دارا دا دِر دارا دا دا را خالی)

امیرؔ کے گانے اور اُن کی ترکیب

مرتّبہ سیّد بڑے آغا

امیر کے ایجاد کردہ راگوں کے بارے میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے وُہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ بلا شرکت غیرے ان راگوں کی ایجاد کا سہرا امیر کے سر ہے لیکن ان بیانات سے جو آپ پڑھ چکے ہیں صرف وہی مستفید ہو سکتے ہیں جو تھوڑے بہت علم موسیقی سے واقف ہیں باوجود واقفیت کے بھی وہ امیر کے راگوں کو صحیح طریقہ پر نہیں گا سکتے ہیں۔ اس واسطے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ امیر کے راگوں کو صحیح طریق پر گانے کے مناسب ذرائع اختیار کیے جائیں۔

گانا سمجھنے کے دو ہی طریقے ہیں۔ بہترین طریقہ تو یہ ہے کہ حلق سے

Marfat.com

آواز نکال کر اس کے اتار چڑھاؤ کو سمجھایا جائے، یا آوازوں کے ایسے نشانات اور علامات مقرر کیے جائیں جن سے ان کی شناخت ہو سکے، ایسے علامات کو نوٹیشن کہتے ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) سُرگم۔ سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔

یہ بیچ کی سپتک کے چڑھتے سُر ہیں۔ جو تیور ہیں۔

(۲) سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ ان میں جو حروف کٹے ہوئے ہیں وہ بیچ کی سپتک کے اُترتے ہوئے سُر ہیں جو کومل ہیں۔

(۳) سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی

یہ اوپر کی سپتک کے چڑھتے ہوئے سُر ہیں جو تیور ہیں۔

(۴) سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی

جو حروف کٹے ہوئے ہیں وہ اُوپر کی سپتک کے اُترتے سُر ہیں جو کومل ہیں

علامات زیر کی ہیں۔

(۵) سِا۔ نِی۔ دِھا۔ پِا۔ مِا۔ گا۔ رے۔ سِا۔

ان زیر کی علامات کی وجہ سے یہ نیچے کی سپتک کے چڑھتے سر ہوئے جو تیور ہیں۔

(۶) سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ ما۔ گا۔ رے۔ سا۔

اِن علامات کی وجہ سے یہ کومل ہوئے

(۷) سا۔ رے۔ گا۔ ررررررر ۔ اِن علامات سے مطلب ہے سا۔ رے۔ گا۔ گا۔ گا۔ گا۔ گا۔

Marfat.com

(۸) گا ررر او ررر کا مطلب یہ ہے :-
گا آ۔ آ۔ آ او۔ او۔ او۔

(۹) گا ما اس علامت سے یہ مراد ہے کہ ایک ہی ماترے میں گا اور ما دونوں سُر ہیں۔

(۱۰) گا۔ ما۔ پا اس علامت سے یہ مُراد ہے کہ ایک ہی ماترے میں تینوں سُر ہیں۔

(نوٹ: ماترے سے مراد نبض یا گھڑی کا ایک کھٹکا یا ایک حرکت)

(۱۱) × اس علامت سے مراد سَم ہے۔ جہاں گانے کا حصّہ ختم ہوتا ہے۔

(۱۲) ○ یہ علامت خالی کی ہے۔ جس سے سَم کا حساب لگایا جاتا ہے۔

(۱۳) × ررر / ۲ ررر / ○ ررر / ۳ ررر

یہ سولہ ماترے کی تین تال ہیں۔

(۱۴) × ر / ۵ ر / ۲ ر / ۵ ر / ۳ ر / ۴ / ۰ /

یہ بارہ ماترے کا ایک تال کا ٹھیکہ ہے۔

(۱۵) × ر / ۲ ر / ۵ ر / ۳ ر / ۱۰ ر / ۴ ر / ۵ ر /

یہ چودہ ماترے کا آڑا چوتالہ ہے۔

(۱۶) × ر / ۲ ررر / ۵ ر / ۳ ررر /

یہ دس ماترے کا جھپ تال کا ٹھیکہ ہے۔

(۱۷) مردوں کے واسطے سا یعنی گانے کا سر ہارمونیم کی پہلی کالی

Marfat.com

پٹری سے شروع ہوگا۔ یہ بخوبی سمجھ لینے کے بعد آپ کو راگوں کے سمجھنے
میں آسانی ہوجائے گی۔

امیر کے ایجاد کردہ راگوں کے گانے کا طریقہ

راگ مجیب یا مجیر

یہ راگ کافی ٹھاٹ کا ہے اور شاڈو سمپورن ہے۔ آروہی میں گا
ورجت ہے (یعنی معدوم) اور امروہی میں وکرت ہے جس میں ٹیڑھا گا ما
رے سا ہے۔ اس میں رے ما پا گا ما رے سا کی تان آتی ہے جس
سے ملار کا رنگ یعنی صورت کا شبہ ہوتا ہے۔ اس میں دھیوت وادی اور
گندھار سم وادی ہے اس وجہ سے دن کے وقت گانا چاہیئے۔ اس میں
امیر خسرو کی قوالی کا رنگ بدرجۂ اتم موجود ہے۔ یہ زیادہ تر ورت سے میں گایا
جاتا ہے اور خاندانی قوالوں کے گھرانے کا خیال کہلایا جاتا ہے۔

یہ راگ مشر میل یعنی ایک سے زیادہ راگوں سے مرکب ہے۔
آروہی اس کی سا رے ما پا دھا نی سا ہے اور امروہی اس کی
سا نی دھا پا ما پا نی گا ما رے سا اور بول اس کے یہ ہیں:

حضرت نظام الدین اولیا پیر مشائخ نور۔
آن پڑے دربار تمہارے۔ خسرو پر کرپا
کرو شاہ انبیاء پیر مشائخ نور

تال	× ءءء	۲ ءءء	۵ ءءء	۳ ءءء
استھائی	نی دھا پا پا	ما پا دھا گا	ما رے ما پا	پا دھا نی سا
	جا جا را تے	نی جا مو ء ی	ءءءء	تے او لی یا
	نی دھا نی ما	ما پا پا نی	گا ما رے سا	ءء رے ء سا
	پا ءءء	پی ءرے ما	ثنا ء ای خ	ء نو ء رے
انترہ	ما پا نی نی	سا ءسا سا	نی سا رے سا	سا نی سا نی نی دھا نی
	آ ء ن پا	ری ء دا سے	پا ء رے تے	ہا رء ی رہی ءءء
	×	۲	۵	۳
	نی دھا پا ما	ما رے پا ما	پا پا پا دھا	پا دھا نی سا
	خوش را و ے	پا رے کی سے	پا ہو یا را	لے ام بی یا
	×	۲	۵	۳
تانیں	سا رے سا گا گا ما رے سا	ما پا دھا ما پا گا ما رے	ما پا دھا نی سا رے نی سا	نی دھا نی پا پا دھا نی سا
	سا نی دھا نی پا گا ما رے	رے پا نی دھا نی پا ما پا	گا ما رے سا نی دھا نی پا	پا دھا ما پا گا ما رے سا
	سا نی دھا نی پا دھا نی سا	رے ما پا دھا گا ما رے سا	ما پا دھا نی سا رے نی سا	نی دھا نی پا گا ما رے سا

Marfat.com

راگ سازگری

یہ ماروا ٹھاٹ کا سمپورن راگ ہے۔ اس کا سروپ یعنی شکل نئی ہے گا اس کا وادی سر ہے۔ اس میں دونوں دھیوتوں کا رواج ہے جانے میں تیور اور آنے میں کومل ہے۔ اس میں نکھاد اور مدھم کی سنگیت ہے۔ شدھ مدھم کم لگائی جاتی ہے گانے کا وقت شام کا ہے یہ راگ پوریا اور پوربی کے ملنے سے پیدا ہوا ہے چونکہ رنگ پوریا کا ہے لہذا اس کو مندر اور مدہ استھان سے گانا چاہیئے۔

آروہی اس کی نی۔ رے۔ سا۔ نی۔ دھا۔ نی۔ رے۔ گا۔ ما گاما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا، ہے۔

امروہی۔ سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ دھا۔ ما۔ گا۔ رے۔ سا۔

خیال ایک تالہ الفاظ یہ ہیں:

چنگے کام ہووے آسان۔ نت چین پر بیٹھے ہی۔ دربار ہووے اپن آرام۔ اولیا کے چرن پر ہووے شام نت چین مٹت دلدر وہام۔

استائی

۵ ۶	۴ ۶	۵ ۶	x ۶	۲ ۶	۵ ۶	۳ ۶
سا ء	نی رے	گا رے	ما ما	گا رے	سا ء	سا ء

ء پا	رے ء	گا ء	ء گا	ء ء	ء م	ء ہو
نی رے	گا رے	ء سا	سا سا	دھا سا	سا ء	پا سا نی
رے ء	آ تا	ء سا	تا تا	سا نا	ء ء	پا را ء
رے سا	نی رے	گا گا	نی رے	نی دھا	ما دھا	پا سا
نی رے	نی ء	دا رے	پا ء	رے ء	دھا ء	ء ء
ء سا	گا گا	گا ما	نی نی ما	دھا گا	گا ما ما گا	گا ما
ء رے	پا سا	آ آ	ء ء را	ء ء	ءءءءءءء	ء ء
سا سا	نی رے	گا رے	×			
			×			

انترہ سازگری

ء ء	ما گا	پا دھا پا	پا تا	سا سا	تا ء	تا ء
ء ء	ء ء نی	پا سا ء	پا را	ن پا	رے ء	ہو ء
سا نی دھا	نی دھا	پا پا	پا ء	پا دھا	دھا گا	پا پا
ء رے	سا ء	م ء	ت ت	دچھی	ن ی	ٹ ن
ء دھا	تا نی	رے نی	ا دھا	گا گا ما	گا ما ما	گا رے سا
ء دا	نی ء	ء رے	دھا ء	ء ء ء	ءءءءء	ء م
ء سا	نی رے	گا رے	×			
ء ء	ساں	اں ء گا	×			

راگ ایمن کلیان

کلیان ٹھاٹ کا پہلا راگ ہے جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ معارف النغمات صفحہ ۱۰۱ میں ہے۔ اس راگ میں گندھار گرہ انش اور نیاس کا سُر ہے۔ راگ کا وقت شام، شام کے گانے کا ہے۔ بعض پرانے پنڈتوں نے بھی اپنی کتابوں میں اس کو تسلیم کیا ہے۔ کہ یہ راگ ملک فارس کا ہے۔ صوبہ دکن کی پرانی سنگیتوں میں بھی یہ راگ موجود ہے اور ان میں گانے کا وقت بھی شام ہی کا درج ہے

تان سین کی مت میں ہے کہ شدھ کلیان ایمن اور بلاول ملاکر ایمن کلیان راگ بنایا گیا ہے، اس لیے گاتے وقت ان تینوں راگوں کا ثبوت ملنا چاہئے۔ یہ راگ سمپورن ہے اور آنے جانے میں ساتوں سُر لگتے ہیں اور دونوں سُروں سے گایا جاتا ہے۔ گا ما پا رے سا، شدھ کلیان کا ثبوت ہے باقی سر ایمن کے ہیں۔

آروہی : سا رے گا ما پا دھا نی سا۔

امروہی : سا نی دھا پا ما گا ما گا رے سا۔

وادی : نی سموادی گا ہے۔ گانے کا وقت غروب آفتاب کے بعد ہے۔

گانے کے الفاظ یہ ہیں

گنی جانو گنی پہچانو گنی نین سو بڑھو گنی گنی نہ کرو چت دھرو دھیان کرو۔

Marfat.com

مورکھ باورے۔ جب کرتار کی مہر عنایت ہو۔ تب گنی لے سایکی تان۔

طبلہ کے بول: تا دھن دھن نانا۔ تن تن نانا۔ دھن دھن نا۔ کلیان ٹھاٹ تین تال۔

× ـہ ـہ ـہ	۲ ـہ ـہ ـہ	۵ ـہ ـہ	۲ ـہ ـہ ـہ
پا ء تو ء	گی نی پ د	گا ما پا رے گا رے	ء ء ما رے
گا گا رے سا	سا رے گا گا	سا ء سا سا	سا نی دھا پا
نا گا ر دیچی	گنی گنی	سون ء بڑو	گنی جانے
سا ما گا رے رے	گا ما گا رے	پا ء پا ما	رے گا ما گا
اے با ء ء ء وا	رو مو راکھے	دھیان ء نے ک	تا دھا رو ء
		×	رو ء نی سا
		×	ر ء کرن
نی دھا نی دھا پا	نی ء نی سا	تا ء سا سا	پا گا پا ء کرپا
تا ء ء یا تے	مے دھ ء رے ای	تا ء رے کی	جا پا کی رے ء
سا رے گا ما پا ء نی سا	سا رے سا ء	گا گا گا رے	پا ء ما گا
تان ہ ہ ہ ہ ہ ہ	سان ء پچی ء	گنی کی ء	رہو ء تب
گا ما گا رے گا رے		×	نی دھا پا ما گا رے سا
نی رے		×	ء ہ ہ ہ ہ نی گونی
			دھا نی رے سا نی سا

گو نی سا رے			
	تال		
۵ ررر	۳ ررر	× ررر ررر	
نی رے گا رے	سا رے نی رے گا ما	نی دھا پا ما گا ما گا رے	نی رے نی دھا نی پا دھ
نی سا گو نی	گا رے نی رے	گا ما گا رے	رے سا گا ما
سا رے نی رے گا ما	نی دھا پا ما	نی سا دھا نی	
گا رے نی سا			
رے سا گو نی			

راگ عشّاق

یہ راگ بسنت سارنگ اور نوا سے مرکب ہے۔ شاڈو ہو یعنی چھ سر جاتے رہیں اور چھ آتے ہیں۔ اس میں گندھار نہیں لگتی۔ سا سے اور پا تک سارنگ کی چال ہے اور پا سے سا تک بسنت کی چال ہے۔ یہ راگ گانے میں آسان ہے۔ اس کا وادی سُر "ما" ہے اور سم وادی سا ہے۔ دن کے وقت گایا جاتا ہے۔

آروہی: اس کی سا۔ رے۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا ہے۔

امروہی: سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ ما۔ رے۔ سا ہے۔

خیال: اس راگ کا ایک تال کا ہے، الفاظ یہ ہیں:۔

سانچی دہرن سانچی مورن سانچو راگ سانچی تان
جو کوئی گاوے تال سرن میں والو گنی مان
تال سُرن بھید جانے کال اکالی پہچانے
جو آپ کو جانے خسرو واکو بڑو گیان

راگ عشاق بھیرویں ٹھاٹ

ایک تالہ تال

× ء	۵ ء	۲ ء	۵ ء	۲ ء	۴ ء
دھن دھن	دھاگے ترکٹ	تو نا	کت تا	دھاگے ترکٹے	دھن تا
سا رے	تا رے	تا پا	ما دھا	تا نی	دھا پا
سان ء	چو دھا	رانے	سان ٔ	پچو مو	رانے
ما ء	پا تا	ء تا	رے ٔ	رے سا	رے سا
سان ٔ	پچورا	ء گ	سان ء	جو تا	آنے
دھا ء	نی نی	سا ٔ	سا ء	سا رے	تا رے
جو ٔ	آپ کو جانے	گا ٔ	وے ٔ	تا ء	رے سو
سا رے	سا ء	تا نی	دھا پا	تا رے	رے سا
رانے	من ٔ	واکو	گو من	ٔ ما	ء نے

Marfat.com

انترہ

ما ء	پا پا	دھا دھا	نی ء	سا سا	ء سا
ما ء	ے سو	را نے	مے ء	ے جا	ء نے
سا رے	ما رے	سا نی	دھا پا	ما پا	دھا پا
گا ء	سا ا	گا ء	ے پھ	ھ جا	ر نے
سا ے	ما رے	سا نی	دھا پا	پا دھا	دھا پا
جو ء	کو ری	آ ء	پ کو	ء جا	ء نے
سا نی	دھا پا	ما پا	دھا پا	ما ما	ے ما
خسر	رو ء	وا ء	کو ب	بڑو گیا	ء نے

راگ موافق

یہ راگ ٹوڑی مالوی اور ذوگاہ سے بنایا ہے۔ آخر الذکر فارس کا راگ ہے پا اس کا وادی ہے اور سا سم وادی ہے۔ صبح کے وقت گانے میں مزا دیتا ہے۔ ٹوڑی میں دھا وادی ہے اور مالوی میں رے۔

آروہی: اس کی سا رے گا ما دھا سا

امروہی: سا دھا پا گا رے سا

خیال: تین تال۔

بن کے پنچھی بھئے باورے ایسی بین بجائی سانورے۔
تار تار کی ناد نرالی۔ جھوم رہیں سب بن کی ڈاری۔
پن گھٹ کی پنہاری ٹھاڑی بھول گئیں خسرو پنیا بھرن کو۔

بول خیال

استائی

٥ ررر	٣ ررر	× ررر	٢ ررر
سا سا رے گا	رے رے سا ء	پا پا ر پا	دھا دھا پا ء
با نے کے ء	پا نی جی ء	بہا لے ء یا	وا رے ء
پا دھا سا ء	دھا ما پا پا	گا ء گا رے	گا رے سا ء
لے سی ء	بی ء بی ب	جا ء ای سا ن	ء وا رے ء

انترہ

٥ ررر	٣ ررر	× ررر	٢ ررر
پا ء گا گا	پا پا دھا پا	تا ء تا تا	رھ تا ء
تا ء ر تا	ء ر کی ء	را ء ھے فی	ر لی ء
رے گا رے تا	تا رے سا تا	تا رے تا دھا	سا دھا پا ء
جھو ء ک مارا	ہی ء سا با	با نا کی ء	ڈا ء ری ء

رے گا ما	دھا سا دھا پا	رے ء ما ء	رے ء سا ء
پلنے گھا ٹا	کی ء پا نے	ہے ء ری	ٹھا ء ڑی
سا رے گا رے	گا رے سا سا	گا رے سا	گا رے سا ء
بھو ء ل گا	لے خوس رو	پانی یا بھ	را نے کو

راگ غنم

یہ راگ اوڈو اوڈو یعنی پانچ سُر کا ہے۔ پوربی اور تربینی جس کو تروِن کہتے ہیں ان سے بہت مشابہ ہے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ امیر نے پوربی راگ میں تھوڑا سا تغیّر کر دیا ہے۔ یعنی پوربی میں کڑی مدھم ہے اور اس میں مدھم نہیں ہے۔ بھیروں میں اتری رکھب وادی ہے اور اس میں پا وادی ہے۔ پوربی میں سر گا۔ وادی کے ہیں یہی فرق ہے۔ تروِن شری راگ کے مانند گایا جاتا ہے اور اس کی طرز پوربی راگ کی طرح ہے۔ گانے کا وقت شام کا ہے۔

آروہی : سا۔ رے۔ گا۔ ما۔ پا۔ دھا۔ نی۔ سا۔

امروہی : سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ گا۔ رے۔ رے۔ سا۔

خیال راگ غنم تال تین تال۔ الفاظ یہ ہیں :

ارج سنو موری آج پیر مورے۔ چرن چھوئے

کی لاج راکھو مورے پیارے۔ تھیں تو بندھاؤ

دھیر مورے پیر

تین تال

استھائی

۵ ءءء	۳ ءءء	x	۲ ءءءء
پا گا پا گا ارا جے سو گا پا دھا نی چا را نے چھو	گا پا گا رے نو مو ء ری سا نی دھا پا وے کی لاج را	پا گا گا رے آ ء ج پی گا گا رے پا کھو مو رے	گا پا دھا پا ء ورے مو رے گا رے سا ء پیا ء رے ء

انترہ

پا پا گا ء تم ہی تو ء پا گا پا پا ارا ج سو	پا پا دھا پا بان دھا ء او گا پا گا رے نو ء مو ری	سا ء سا سا دہی ء رے مو پا گا ء رے آ آ ء ج	سا رے سا سا ری پی ء رے گا پا دھا پا پی یا رے مو رے

راگ زیلف

یہ بھیروں ٹھاٹ کا سمپورن راگ ہے اور امیر کی عجیب ایجاد ہے

Marfat.com

عـام گویئے اس کو کم گاتے ہیں۔ یہ راگ مشر میل کا ہے اور کئی ٹھاٹ
ملا کر بنا ہے اس کی اُترانگ بیں کانڑے اور بھیروں کا رنگ دکھلایا ہے امروہی
بیں رکھب ورجبت ہے ۔ دھیوت کا سُر وادی اور گندھار کا سُر سموادی
ہے گانے کا وقت پہلا پہر دن ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ اس بیں جونپوری اور
کھٹ بھی شامل ہیں۔ اس لیے اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس راگ کو
بھیروں سے الگ کرنے کے لیے رکھب کا سر بہت کمی کے ساتھ استعمال
کرنا چاہیئے۔

سرمایۂ عشرت بیں لکھا ہے کہ اس راگ کا ٹھاٹ کانگڑے کی
طرح پر ہے یعنی کھرج پنچم، اچل رکھب مدھم اور دھیوت کومل ہیں
گندھار اور نکھاد تیور ہیں اور ادیچار اس کا دھیوت سُر سے ہوتا ہے۔
اس لیے گانے کا وقت آخر شب ہو سکتا ہے۔

آروہی : سا رے گا ما پا دھا نی سا
امروہی : سا نی دھا پا دھا ما گا ما سا
ترانہ ٹھاٹ آساوری

تال جھپ تال

در در توم نا در در توم نا دے رے نا تا
نا دارے دانی تا آ توم تا نا تے تنے نا تا
تے دارے دانی

پائے سگ بوسیدہ مجنوں خلق پرسد کیستی
گفت ایں سگ گاہے گاہے کوئے لیلیٰ رفتہ بود

Marfat.com

خیال : ٹھاٹ بھیروں۔ تال تین تال۔ بول یہ ہیں :

سب گھر آنند بدھا والا ری مالنیاں
پھولن نے سہرا۔ سب جگ میں بھیوا جیارا
جب حضرت جنم پایو سب منگل گایو

استھائی بھیروں ٹھاٹ

۲ ءءء	ءءء	۳ ءءء	x ءءء ءءء
سا سا	گا ما ما پا	ء ما گا ما	دھا ءءء دھا
سا ء ء	با ءء	ء گھارے آ	نا ءء انی
دھا پا	پا دھا نانی	سا نی	دھا پا ما گا
ءءء با	دھا ءءء	وا ءءء	ءءءء
ما ءءء	ء دھا ء دھا	پا ء دھا پا	ما گا گا ما
ءءءء	ء لاری ما	ء مالانی	یان ء پھو ء
پا دھا نی سا	نی دھا پا دھا	پا ما ما گا	پا ما گا رے
ءءءء	ء لانی داء	سہرے ء راء	ءءءء
ءء سا سا	گا ما پا	ء ما گا ما	x پا
ءء ماجا	، انے آنی	ء گورے آ	x
انترہ			
پا	دھانی ء نی	سا سا سا ء	ء ء ء نی

Marfat.com

چو دھا نی سا ای او ء تین تا گا ء تا س ن ء ح دھا پا ء پا م ج ء ب	او دا ء ما رے سا گا رے نا ء ء ء پا ء ء ء رے ء ء ء پا دھا سا نی پا ء ء ء	ب ق س ء تا ی مر نی ای ء ء ء پا ء ء پا ن ء ء خ سا ء ء نی و ء ء ء	ء ء ء ھو دھا پا ء ما ء ء ء ح ء ء دھا ء ء ء ن ء دھا پا ما گا ء ء ء ء
۲ ء ء ء	۵ ء ء ء	۳ ء ء ء	x ء ء ء
نی سا نی دھا س ب جو ء پا ء ء دھا ل ء ء ء	پا دھا دھا دھا را ء ے ل پا ما پا ما گا گا ء ء ء ء	پا ما ما پا گا ماں ء ء ء ء پا ما گا رے ء ء ء ء	گا ما پا دھا ء ء گا سا ء سا سا ء ء ء ء

تروٹ راگ زیلف جھپ تال ٹھاٹ آساوری

x ء	۲ ء ء	۵ ء	۳ ء ء
نی سا در در پا دھا	گا ما ما تو آم نا نی سا رے	پا پا در در نی سا	پا ء پا تو آم نا دھا ء پا

Marfat.com

رے رے	نا سا سا	را وے	دھا پانی
نی نی	سا ء رے	سا نی	دھا پانی
سا م	تو ام	نا نا	نا نا کے
دھا پا	گا نا پا	مارے	رے بر سا
نا نا	نا ما سا	وارے	دا ء نی
ما پا	دھا دھا نی	سا سا	سا سا سا
پا اے	س ء گ	بوسی	دام ج نون
نی سا	رے ء سا	نی سا	دھا نی پا
خلق	بر ء سد	کی م	س تی
ما پا	گا ما ما	پا پا	پا م پا
گفت تا	ایں سگ	گا ہے	گا ہے
اے سا	سا ء رے	نی سا	دھا نی پا
کو اے	بے ھ لا	رفت تہ	بو ہ اود

راگ فرغانہ

یہ راگ دیس کار - دیوساکھ - گوجری - گونڈ - سرتھی - سندھو -
سندھوی - ونٹ - ساونٹ - تروں - بھوپالی - اشٹ منگل - بھیروں -

Marfat.com

ماروا اور بنگال وغیرہ اقسام کے راگوں سے زیادہ مشابہ ہے گورا اور گن کلی سے یہ راگ مرکب ہے۔

آروہی : گنکلی بھیروں ٹھاٹ : سا رے۔ ما پا۔ دھا۔ سا۔

امروہی : سا دھا۔ پا ما۔ رے سا۔

بھیروں ٹھاٹ کی گوری آروہی : سا رے گا ما پا ما دھا نی سا۔

امروہی : سا نی دھا پا ما گا رے سا۔

فرغانہ تین تال بھیروں ٹھاٹ

آروہی : سا رے۔ سا ما۔ گا۔ پا۔ نی

امروہی : دھا۔ نی۔ سا۔ سا۔ نی۔ دھا۔ پا۔ ما۔ پا۔ گا۔ ما۔

وادی : رے۔ سا

سمووادی : ما

گانے کا وقت دن کا ہے۔

بول

جے جے نظام الدین جگ تارن۔ تاپرنیں پران کروارن

خسرو کے پربھو۔ احمد کے پوت تن من اور دھن کروں نثارن

۵ ء ء ء	۳ ء ء ء	× ء ء ء	۲ ء ء ء
سا دھا دھا ء	پا پا پا ما	پا گا ما ما	رے ء سا سا
جے ء جے ء	نی جا مو ءی	ء نا جگ کا	تا ء را نا
دھاء سا سا	رے ء سا گا	ما ما گا ما	رے ء سا سا

تا پا رے	تا ء نی پر ا	ء نا کا رو	دا ء رانا
ما ما پا دھا	نی دھا سا سا سا	سا نی دھا پا	پا ما پا گا
نو سس رو ء	کے ء ء پر بھو	ا ج م د	کے پو ء ت
ما دھا دھا دھا	دھا پا پا گا	گا گا ء ما	رے ء سا سا سا
تن من	اور رے دھانے	کروں ء نی	تا ء راتے

راگ سُرپردہ

یہ بلاول ٹھاٹھ کا سمپورن راگ اور بلاول کی ایک قسم ہے۔ گانے کا وقت پہلا پہر دن ہے۔ بعض اس میں گندھار کو وادی مانتے ہیں اور بعض دھیوت کو۔ کیونکہ یہ راگ صبح کا مانا گیا ہے، اس میں تیور گندھار کا وادی ہونا صحیح نہیں ہے۔ کھرج اور پنچم وادی سموادی سُر ہیں۔

امروہی میں بلاول کی شکل کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ بیھاگ کی بھی شکل نظر آتی ہے، لیکن بیھاگ میں رکھپ دربل یعنی کمزور ہے اور اس میں صاف ہے۔

بعض کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ راگ ایمن الیا اور گونڈ سے مرکب ہے

آروہی: سا رے گا ما دھا پا دھا نی سا ہے۔

امروہی: سا نی دھا پا نی دھا پا ما گا ما رے سا ہے

خیال راگ سُرپردہ تال تین تال۔ بول یہ ہیں:-

Marfat.com

"سلطان جی صاحب نجام الدین اولیا تو ہے
بل بل جاؤں۔ موہے پیر تو سوں دیا۔ چرنن تیرے
لگے خسرو پا پائیں نے اپنا الیسو پیر مورے تم نجام الدین اولیا"

بلاول ٹھاٹ تین تال

۵ ءءء	۳ ءءء	× ءءء	۲ ءءء
استھائی			
سا	رے گا ء ما	تی دھا نی دھا	دھا پا دھا ما
س	رے طا ء تے	جی ء ء ء	ء ء ء ء
چا ء ء سا	رے گا ء گا	ما گا ما گا	تا رے سا سا
ء ء ء سا	ء ح ء پا	نی ء جا ء	مو ء دین او
رے سا ء گا	پانی دھا تی	سا ء سا	تا ء ما ما پا
لی یا ء تو	ہے پا ء رے	پا ء پے ء	جا ء ء ء
ا گا ء سا	رے گا ء گا	ما گا ما رے	ء ء ا رے
سو او ء ء ء	ے پی ء رے	تو ء ء ء	سون ء ء ء
رے سا ء سا	گا پانی دھانی	سا ء ء ء	سا ء ء ء
دی یا ء سو	چر ء انا ء رے	تے ء کر ء ء	رے ء ء ء

انترہ

رے سا ء نی	دھا نی ء نی	سا ء ء ء	ء ء سا ء
گا ہے ء خو	س رو ء پا	ے آ ء ء ء	ے ء نے ء
دھا پا ء سا	رے گا ء ما	نی دھا نی پا	دھا ما پا ء
آ ء ء ء پا	ء ء ما ء لے	سو ء پی ء	ء ء رے وتم
ما گا رے سا	رے گا گا گا	ما رے سا ء	رے سا ء سا
مو رے ء نی ء	جا مو ء ء	دی ء ء ء	نے ء ء او
رے سا ء سا	ر گا . ما	×	
لی ء ء ء	یا ء ء ء	×	

تانیں

سارے گاما	رے ما مادھا	نی دھا نی پا	پا دھا ما گا
ما دھا نی سا	رے دھا نی پا	ما دھا ما پا	گا ما رے سا
نی دھا نی سا	رے سا	×	
دھا نی سا رے	گا گا رے سا	سا رے نی سا	سا دھا نی پا
رے گا ما دھا	دھا پا ما پا	دھا پا دھا ما	رے سا سا نی دھا
نی سا رے سا			
سا ء گا ما	دھا نی سا سا	گا ما رے سا	دھا پا

Marfat.com

راگ باغرو

اس میں ایک راگ فارسی شامل ہے۔ جس کے نام کا پتہ نہیں چلا۔ اس میں گاؔ وادی اور دھاؔ سموادی ہے۔ گانا آسان ہے۔ اس راگ کا کوئی خاص وقت معین نہیں ہے۔ راگ سمپورن ہے۔

آروہی: سا رے گا ما پا نی سا ہے

امروہی: سا نی دھا پا ما گا رے ما ہے

خیال راگ باغرو تین تال الفاظ یہ ہیں

دِل من دِل من دِل من ایں آوارہ۔ دِل من

پارہ پارہ دل من، ایں بے چارہ دل من

دِل من دِل من دِل من ایں دیوانہ دل من عاشق

جانا دل من، ایں پروانہ دل من

خسرو در عشق خراب، رہم چو ماہی بہ سراب سوئے

دل من بہ شتاب۔ ایں دیوانہ دِل من

خیال راگ باغرو تین تال

۵ ی ی ی	۳ ی ی ی	× ــ ــ ــ	۲ ــ ــ ــ
سا رے رے گا	گا گا گا گا	ما رے رے گا گا	رے رے رے گا
دی یے ما ء ان	دی بے م ان	دی بے ما ء ع	ــ ــ ــ ان

پا ما پا ما	پا ما گا ما گا	ما رے رے گا ع	ع ع ع گا
این ع ع	آ ع ع را ع را ع	دی ے ما ع ع	ع ع ع ان
سا رے گا ع	ما ع گا ع	ما رے رے گا گا	ع ع ع گا
این ع آ ع	وا ع را ع	دی بے ما ع ع	ع ع ع ان
سا رے رے گا گا	گا ع گا ع	ما رے رے گا گا	ع ع ع گا
دی ے ما ع ان	دی ے م ع ن	دل ما ع ع	ع ع ع ان
سا رے رے گا گا	گا ع گا ع	ما رے رے گا گا	ع ع ع گا
این ع دی ع ع	وا ع نا ع	دی بے ما ع ع	ع ع ع ان
پا ما پا ما	پا ما گا ما گا	ما رے رے گا گا	ما ما ع گا
آ ع شق	جا ع ع نا ع	دی ے ما ع ع	ع ع ع ان
پا ع دھا نی	ما گا ما گا	ما رے رے گا گا	ع ع ع گا
این ع پر	وا ع نا ع	دی ے ما ع ع	ع ع ع ان
ما رے رے گا گا	گا گا گا گا	ما رے رے ما گا	ع ع ع گا
خوں رو ع ع	درا ای اش	ق خ را ع ب ع	ع ع ع ع
۵ ع ع ع	۳ ع ع ع	× ع ع ع	۲ ع ع

انترہ

سا رے گا ع	گا ع گا ع	ما رے گا ع	ع ع ع گا

ہا ام پچو عو سا رے گا عو سُو وسے دی عو	ما عو ھی عو عو گا عو گا گا بے عو سَن	با س را عو ما رے گا عو با شی تا عو	عو عو عو اب عو عو عو گا عہ عہ عہ اب

تانیں

سا رے گا ما رے گا ما پا ما پا ما پا گا ما رے گا	دھا پا ما ما گا گا رے گا پا دھا ما پا گا ما رے گا	ما پا دھا نی سا نی دھا پا نی سا دھا نی پا دھا ما پا سا رے گا ما پا دھا نی سا	سا نی دھا پا ما گا رے سا گا ما رے گا سا رے نی سا نی دھا پا ما گا رے سا عو

راگ ہشتم

یہ راگ کلیان اور بلاول کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ بعض کا یہ بھی خیال
ہے کہ ایمن کلیان اور ایک فارسی راگ ہے جس کو نوروز اور نورچکا بھی
کہتے ہیں۔ یہ راگ آسان بھی ہے اور مزے دار بھی۔ سدھ سارنگ
اور شام کلیان سے مشابہ ہے۔ مگر آج کل جو سدھ سارنگ مروج ہے

اس میں کومل نی یعنی نکھاد اور تیور گندھار نہیں ہے، کافی ٹھاٹ کی نشانی کومل گندھار اور کومل نکھاد ہے پس ان دونوں سروں کا سدھ سارنگ میں نہ ہونا اس راگ کو قاعدہ میں نہیں رہنے دیتا ہے سدہ سارنگ میں گندھار نہیں ہے۔ اور صنم میں گندھار بدرجہ اتم موجود ہے سدہ سارنگ میں کومل نکھاد انوادی سر ہے صنم راگ میں یہ سر برائے نام ہے، سُدہ سارنگ کا نیاس یعنی خاتمہ (نی) پر ہے اور اس میں (رے پر) ہے۔ شام کلیان اور سدھ سارنگ میں دونوں مدھمیں ہیں اور اس میں بھی دونوں مدھمیں ہیں۔ اس طرح پر آروہی میں تیور اور امروہی میں کومل ہے سدھ سارنگ اوڈو، اوڈو یعنی پانچ پانچ سر کا راگ ہے اور صنم شاڈو سمپورن ہے یعنی چھ سات کا۔

آروہی: سا رے ما پا دھا نی سا۔

امروہی: سا نی دھا پا ما گا ما رے سا۔

گانے کا وقت رات کا ہے۔

خیال صنم ایک تال۔ الفاظ یہ ہیں:

”اندھیری گھٹا کالی حسن چراغ علاجِ دل ماکن خسرو کنج باغ“

خیال دیگر صنم تین تال الفاظ یہ ہیں:۔

نجام الدین پیر اولیا نجام الدین شان انبیا خسرو
آن پڑے چرنن میں کرپا کرو بھر کیریا

استھائی

کت تا	دھاگے ترکٹ	دھی تا	دھی دھن	دھاگے ترکٹ	تو نا
۵ ع	۳ وکر	۴ کر	× کر	۵ کر	۲ کر

Marfat.com

ء مَا ء گھا دھا پا چ را گا رے ری گھا	مَا گا رے ٹا ءء ما پا پا پا ءء ءء رے پا ٹا ء	گا نی سا ء کالی ما گا ما رے غ ء ء ان ما گا رے نی سا ءءء کالی	ر ء سو ء رے گا دہے ء × ×	مَا مَا اس نے گا ما گا ء ری ء	پا ما پا ء ءء پا ما ء ی ٹ

انترہ

۵ ء دھا نی دھا ان بے ٹا کر	۳ ء پا پا سا علا بے پا ءء ما رے سا ءء کا ء	۴ ء سا سا ء سا د ء ل ما گا ما رے غ ء ما ء ان ء لی	× ء رے سا سا ماکن ۲ گا دھے ءء ×	۵ ء سا نی سا خس رو ء گا ما گا ء نوری ×	۲ ء سا سا کن ء گا رے ء گھا

تین تال

۲ ء ء ء	۵ ء ء ء	۳ ء ء ء	× ء ء ء
ما ء پا ء پا	ما گا رے ما	گا سا ء سا	ر ء ء ء

نی ع جا عع	مو دی ان پی	را و ع لی	یا ععع
پا ع دھا نی	ما گا رے گا	گا ما ع سا	ر ععع
نی ع جا ع	مو دی ع ن شا	نے ام ع جی	یا ععع
پاپا نی ع	سا ع سا سا	نی ع سا سا	دھا نی پا ع
خو س رو ع	آ ع ع نے پا	رو ع چ ر ع	ن ن من ع
ما ما پا دھا پا	ما گا رے ما	گو سا ما سا	رے ععع
کی رے پا عع	ک رو ع بھ	رے کی بی ری	یا ععع

راگ زنگولہ

اس راگ کا تعلق دو راگوں سے ہے یعنی بھیروں اور آساوری اس لیے اس میں دونوں دھیونیں لگائی جاتی ہیں۔ مگر شدھ دھیوت کمی کے ساتھ لگتی ہے جس میں بلاول کی صورت نظر آتی ہے مگر اصلی رنگ بھیروں ہی کا رہتا ہے گانے کا وقت صبح کا ہے۔ اس میں دھا وادی ہے اور رے سموادی ہے

آروہی: سا رے گا ما پا دھا نی سا۔

امروہی: سا نی دھا پا ما گا رے سا۔

خیال ایکتال بھیروں ٹھاٹ

من شمع جان گدازم تو صبح دِل کشائی

سوزم گرت نہ بینم میرم چو رُخ نمائی

دھرپد راگ زنگولہ آساوری ٹھاٹ تال ایک تال بھوپ سکیسری
مل کا ہے کو کرت نت اتنی چورا چاپائی رے۔ سات سکھی مل منگل گا دیں ہوویں
چوک پر اور چاپو رے۔
"تان سین کے تم بھوا بک خسرو کرت استتی گن گا یو رے"

من شمع جاں گدازم تو صبح دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

٣ ہ	۴ ہ	× ہ	۵ ہ	٢ ہ	۵ ہ
گا ما	گا ما گا ما پا ما گا	گا رے ہ	ما نی سا سا رے	ہ	سا سا رے
م ن ہ گا ما بجے ہ	ہ ہ ہ ہ تا ء ما پا گا ما پا ما گا دل ہ ہ ہ کو ہ	م ہ ہ ما گا شا ہ	جان ہ گو ما رے ہ ہ	دا ہ ہ سا ہ ہ	زم تو صو نی سا ای ہ ہ

استھائی آساوری ٹھاٹ دھرپد

× ہ	۵ ہ	٢ ہ	۵ ہ	٣ ہ	۴ ہ
دھا ہ	ہ پا	ہ ما	گا ما ما	ہ پا	دھا ہ

Marfat.com

بھو	پ	وس	کبھی ری	ل	
پا ما	رے	گا سا	بے ما	دھا	نی پا
کا بے	کو	کا	رت	نی	ت
سا نی	دھا پا	دھا پا	ما گا	رے ما	پا
ای تا	نی چھو	را	چا ری	رے	او

انترہ دھرپد راگ جنگلہ (زنگولہ) آساوری ٹھاٹ

×	۵	۲	۵	۳	۴
ما	دھا	دھا	نی	نی	سا
سا	تھ	س	کبھی	می	ل
دھا	نی	سا	نی دھا	پا	دھا پا
ان ۲	گا	ل	گا	دین	ایں
پا ما	گا رے	گا سا	رے ما	دھا	نی
نی	پا	ہویں	چھو	گا	پو
دھا پا	دھا پا	دھا پا	ما گا	رے ما	پا
را	یو	را	چا	رے یو	ری

انترہ دیگر سنچائی راگ زنگولہ

ما	ما دھا	دھا	نی	نی	با

ع تا	نے سے	ع نے	کے ع تے	رہی	تو ع
ع دھا	دھا نی	ع سا	دھا ع	ع پا	دھا پا
ع ہو	سے جا	ع ہو	تا ع یک	ع خسی	ع رو
پا ما	ع رے	گا سا	رے ما	تا دھا	عی ع
گا را	ع ت	اس تی	تی ع	گو ع ع	ن ر
تا دھا	ع پا	دھا پا	ما گا	رے ما	پا ع
دع گا	ع یو	ءع رے	جا ع	ع یو	ری

نوٹ

تان سین نے اس سنچائی میں امیر کو نائک تسلیم کیا ہے

Marfat.com

باب ۸

امیر کے اوصاف معذرت اور کتاب ختم

بالعموم انسان اپنی عمر کو دن مہینے اور سال کے پیمانے سے ناپا کرتا ہے اعمال کی دوڑ ہی سے نہیں ناپتے، اگر اس کے اصول زندگی میں اعلیٰ مقاصد شامل نہیں ہوتے اور عمر جیسی بیش بہا نعمت کو محض حصول دولت، ثروت، حکومت، نفس پرستی اور تن پروری تک ہی محدود رکھتا ہے تو مقصد حیات گم ہو جاتا ہے۔

اسلام میں شریعت ہی ایک ایسا جامع اور مکمل قانون ہے جس کے ذریعہ سے انسان انسانیت کے آخری مدارج حاصل کر لیتا ہے۔

اس قانون کا فرمان اٹل ہے اور وہ یہ کہ جب تک نیکی کی اشاعت اور بدی کی روک تھام کا اصول انسان کی شخصی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد نہ قرار پائے گا بنی آدم کی اجتماعی فضیلت کا قیام اور اخلاق و عادات کی اصلاح ناممکن ہے۔ کوئی انسانی جماعت اس قانون کے اثرات اور تعلیم کی ہمہ گیری سے علیحدگی کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

شریعت کی تعلیم ہے کہ انسان نہ تو پرہیزگاری میں دنیا سے قطع تعلق کرے اور نہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دے گویا ان دونوں کے درمیان شریعت

Marfat.com

نے ایک ایسی معتدل راہ قائم کر دی ہے کہ جس کے ذریعہ سے جسم کو اپنا حق دیا اور انسان کی مجموعی زندگی کو اس کا حق دیا، تاکہ انسان اگر ان اصولوں پر عامل ہو جائے تو اس میں جو استعداد اور جواہر روحانیت کے پوشیدہ ہیں وہ خود بخود نمایاں ہو کر اپنے افعال اور کردار سے اشرف المخلوقات کہلائے جانے کا مستحق ہو جائے

اپنی خودی کو خدا کے سامنے جھکا دینے کا نام تصوف ہے۔ ایک صوفی دنیا سے صرف اسی قدر واسطہ رکھ سکتا ہے جس کی دنیاوی لحاظ سے جائز اور اہم ضرورت ہے وجہ یہ ہے کہ وہ روحانی کو باقی پر ترجیح دیتا ہے۔ شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں نہیں ہیں بلکہ لازم ملزوم ہیں یعنی شریعت پہلے اور طریقت اس کے بعد۔ شریعت کی وہی شراب وحدت اور محبت ہے جو آتش عشق کی بھٹی میں کشید ہو کر دو آتشہ اور سہ آتشہ بن جاتی ہے اور انسان اس لذت چشی سے کچھ ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ صفات سے بے نیاز ہو کر خالص ذات کی طرف دوڑتا ہے اور اپنی خودی کو جو خدا سے دور رکھنے والی ہے اس کے حضور میں سرنگون کر کے فنا کر دیتا ہے بس اسی کو عشق الٰہی یا تصوف کہتے ہیں۔

لفظ صوفی صوف سے ماخوذ ہے کسی زمانے میں ازراہ انکساری اہل باطن صوف کا لباس پہنتے تھے، صوف کے لغوی معنی پشم گوسفند کے ہیں ایسے لوگوں کے افعال اور معارف کو تصوف کہتے ہیں کیونکہ وہ ماسوائے اللہ کے یکسو روگردانی کرتے تھے۔ صوفی کے لغوی معنی مخلص کے بھی ہیں صفہ فقرا اور مہاجرین کو بھی کہتے ہیں، جو رسول اللہ کے زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تھے، اور مسجد نبوی کا ایک چبوترہ جس کا نام صفہ تھا ان کی رہائش

کے واسطے مخصوص تھا اس لیے وہ بھی صفہ کہلاتے تھے۔

اصحابِ صفہ حضور اکرم سے انواع اقسام کے علوم حاصل کرتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی کوہِ طور پر جبۂ صُوف سراویل اور کملی بھی صوف کی پہنے ہوئے تھے۔ عربی میں پرانے کپڑے کو بھی صوف کہتے ہیں۔

صوفی دراصل وہ ہے جس کا دل مصفیٰ، زبان سچی، چشم پُرنم اور دل خدا کی محبت سے لبریز ہو۔ کبر۔ عجب، نخوت، حسد، حُبِ دنیا۔ حبِ جاہ وغیرہ بُری خصلتوں کو ترک کردے خود بیں نہ ہو دوسروں کی طرف سے بدگمان نہ ہو بدبیں نہ ہو۔ بخیل نہ ہو خلق اللہ کا فائدہ مدِنظر رکھے مصیبت پر صبر اور دل پر جبر کرے اور اپنی ہستی کو ذاتِ مطلق کی ہستی میں محو کردے اور جو صوف پہنے اسے مرغن لقمہ نہ کھانا چاہیئے اور نہ دنیاوی معاملات میں ضرورت سے زیادہ منہمک رہنا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو انبیاء اور اولیاء کے لباس میں خیانت کرتا ہے دراصل ایک صوفی کے واسطے یہ ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ کوئی چیز نہ اس کی ملکیت ہے اور نہ کسی دوسرے کی ملکیت ہے۔

دنیا میں ہر قسم کے عیوبُ گناہ اور بدکرداریوں کے انسداد کا یہی طریقہ ہے اور وہ ذریعہ خدا کی محبت ہے۔ حضرت مولانا رومؒ نے کیا خوب کہا ہے

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علت ہائے ما

یعنی اے عشق تو میرا ایسا رفیق اور پرلطف مشغلہ ہے ایسا دلچسپ شوق ہے ایسی مرغوب بیماری ہے ایسا عمدہ جنون ہے جس کو میں قائم رکھنا چاہتا ہوں۔

Marfat.com

نہیں تو بیماری نہیں ہے بلکہ ایسا حاذق طبیب ہے کہ جس کے باعث میرے تمام روحانی امراض دُور ہو گئے ؎

اے دوائے نخوت ناموس ما
اے تو افلاطون وجالینوس ما

اے عشق تو میرے روحانی امراض کی ایسی مجرب دوا ہے کہ غرور، تکبر، نفس پرستی، خود غرضی، خود نمائی، خود ستائی، جو بندہ کو خدا سے دور رکھنے والے امراض ہیں۔ ان سب سے نجات حاصل ہو گئی، گویا میرے واسطے تُو تو افلاطون اور جالینوس ہے ؎

از محبت مردہ زندہ می شود
وز محبت شاہ بندہ می شود

محبت مردہ میں جان ڈال دیتی ہے یعنی روحانی قوتیں جو لذاتِ دنیوی سے مُردہ ہو چکی ہیں ان میں از سرِ نو جان پڑ جاتی ہے۔ بڑے بڑے جلیل القدر شہنشاہ جب محبت کا شکار ہو جاتے ہیں وہ بھی ایک حقیر غلام بننا پسند کرتے ہیں، کیونکہ اس راہ میں شہنشاہ اور فقیر سب برابر ہیں۔

عشق ہا گر از پئے رنگ بود
عشق نہ بود عاقبت ننگے بود

عشق دو قسم کے ہیں مجازی اور حقیقی۔ اوّل الذکر محض خط و خال، رنگ روپ اور رُخِ زیبا ہی تک محدود رہتا ہے اور یہ عارضی اور فانی چیز ہے یہ عاقبت خراب کرنے کا ذریعہ اور فعل ننگِ انسانیت ہے۔

عشقِ الٰہی وہ ہے جس نے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی

بنیاد قائم کی۔ اس کی حکومت ہر کوچہ و دیار میں ہے اس کی جلوہ گری ہر جنگل و کہسار میں ہے۔ اسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جلوۂ طور دکھلایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا۔

سرمد علیہ الرحمت کی گردن کس نے کٹوائی یہ سب حضرتِ عشق ہی کی تو بازی گری تھی ؎

سرمد در دیں عجب شکستے کردی ایمان بہ فدائے چشم مستی کردی
عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت رفتی و نثار بت پرستی کردی

ایوانِ زلیخا میں دامنِ یوسفؑ کس نے چاک کیا، صبرِ ایوبؑ اور گریۂ یعقوبؑ میں استغنائی کس نے پیدا کی، شبِ معراج میں دیدارِ جمالِ باری کا پردہ کس نے اٹھایا، یہ مجال سوائے حضرتِ عشق کے اور کس کی تھی۔ معرکۂ کربلا کے خاک و خون میں کس کی تڑپ تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آگ کو کس نے گلزار بنایا اور حضرت منصور کو کس نے سولی پر چڑھایا، کیا بشر کی یہ مجال تھی کہ وہ انا الحق کہے۔ حضرت ابراہیم ادھم کس کی بدولت اپنی سلطنت لٹا بیٹھے، یہ درہی عشق تو تھا جس کی امانت کا بار سوائے حضرتِ انسان کے آسمان بھی نہ اٹھا سکا۔

آسماں بار امانت نہ توانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

حضرت امیر خسرو کے دل میں بھی وہی چنگاری تھی جو بجلی کی طرح رگ رگ میں کوندا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے آپ کے پیر حضرت نظام المشائخ نے فرمایا

تھا کہ "الٰہی بسوز سینۂ ایں ترک مرا بہ بخش" پیر نے آپ کو ترک اللہ کا خطاب دیا تھا اور اسی نام سے پکارا کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر مجھ سے حشر کے روز پوچھا جائے گا کہ نظام الدین کیا لایا ہے تو میں خسرو کو پیش کر دوں گا"۔

محبت کی یہ فراوانی تھی کہ بڑھاپے میں بھی جب آپ اپنی ماں کو یاد کرتے تھے تو بچوں کی طرح بلک بلک کر رویا کرتے تھے۔ یہ دولت سعادت مندی خوش نصیبوں کو ہی حاصل ہوتی ہے آپ کو فنافی الشیخ کا درجہ حاصل تھا اور شیخ کو بلا دیکھے چین نہ پڑتا تھا خدا اور اس کے رسول برحق کی شان میں جو آپ کی غزلیں، مناجات اور منقبت ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو عشق اللہ اور فنافی الرسول کے بھی مدارج حاصل تھے۔

دنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد ان کا کوئی نام بھی لینے والا باقی نہیں رہتا، لیکن خاصانِ خدا نہ صرف اپنی ذات بلکہ صفات سے بھی زندہ رہتے ہیں اور یہ زندگی لافانی ہوتی ہے کیونکہ زمانہ ان کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔

حضرت امیر کی وفات کو تقریباً سات صدیاں گزر گئیں لیکن آج بھی بلا تفریق مذہب و ملت ہر شخص آپ کو محبت اور عقیدت سے یاد کرتا ہے۔

آپ کی سوانح حیات کو جتنی مرتبہ پڑھیے، لطف میں اضافہ ہوتا ہے۔ حالات آپ کے ہمارے واسطے نہ صرف علمی اور ادبی لحاظ سے دلچسپ ہیں بلکہ سبق آموز بھی ہیں۔

سیرت کے فوائد کم و بیش ہر قوم نے قلم بند کیے ہیں لیکن حکمائے یورپ

Marfat.com

نے بالخصوص اِس بارے میں زیادہ دلچسپی لی ہے۔ مسٹر کارلائل نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ "معزز طبقہ کے اسلاف کی تاریخ بہ نسبت دنیاوی تاریخ کے زیادہ ضروری ہے کیونکہ زندگی کا کارآمد پہلو اس سے بخوبی اُجاگر ہو جاتا ہے۔"

ڈاکٹر اسمائلس مصنف "سلف ہیلپ" کا قول ہے کہ "مشہور آدمیوں کی سوانح حیات بنی نوع انسان کی ترقی کا مفید ذریعہ ہے جس طرح پہاڑی پر چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے اسی طرح ان کی روحانی روشنی آئندہ نسلوں کے واسطے اپنی نورانی چمک جاری رکھتی ہے۔"

ہمارے زمانے کا قومی شاعر حیاتِ سعدی کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "بائیوگرافی بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنھوں نے اپنی اَن تھک کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائیں جو آئندہ نسلوں کے واسطے شمع ہدایت ہیں۔

ایسے بھی دنیا میں لوگ گذرے ہیں، جنھوں نے بزرگوں کی زندگی کے حالات کتابوں میں پڑھ کر اپنے آپ کو انسانیت کے اعلےٰ مدارج پر پہنچا دیا۔ انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ "بائیوگرافی چلا چلا کر کہتی ہے کہ نوجوانو! کمر ہمت باندھو اور تم بھی ایسے ہی کام کرو۔"

اگر حضرت امیر خسرو کو آپ دنیائے عمل میں دیکھنا چاہیں تو میدان کارزار میں ایک شپتینی جرمی سپاہی کی طرح اپنی تلوار کے جوہر دکھلاتے ہوئے نظر آئیں گے۔ شاہی درباروں میں ان کا ہم پلہ کوئی دوسرا نہ تھا۔ حلقۂ مشائخ میں بلحاظ ایک صوفی ممتاز درجہ حاصل تھا۔ شاعری میں اس زمانے کے شعراء

Marfat.com

میں آپ کا ثانی نہ تھا۔

فارسی اشعار کی بابت وہ خود لکھتے ہیں کہ "کم و بیش چار لاکھ اشعار کے ہیں"۔ بعض مصنفوں کے بیانات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ تقریباً یہی حالت اُردو، ہندی اشعار کی ہوگی۔

ایران کے نقادوں نے بھی جن کو اپنی زبان دانی پر ناز ہے امیر کی قابلیت علمی اور شعر گوئی کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ سعدی نے جو اس زمانے کے بادشاہ سخن تھے، حضرت امیر کو طوطی ہند کے نام سے یاد کیا ہے۔

انھوں نے سلطان غیاث الدین کو جب کہ وہ حاکم بنگالہ تھے اور امیر ان کے ساتھ تھے، یہ شعر لکھ کر بھیجا تھا

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود

اس جامع کمالات شخصیت کو علاوہ اور علوم کے علم التواریخ کا بھی شوق تھا۔ انھوں نے اسلامی حکومت کے قیام سے لے کر اپنے زمانے تک کے واقعات اور حالات کو اپنے قصائد اور مثنویوں میں جس خوبی سے منظم کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے گویا ان کے زمانے کی مکمل تاریخ انہی کی کتابوں سے مرتب کی جا سکتی ہے۔ یہ خوبی اس زمانے کے کسی مصنف کی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ وہ مصنف نہ تھے بلکہ شاعر تھے اور مبالغہ شاعری کا جزو ہوتا ہے لیکن انھوں نے تاریخی واقعات میں قطعی مبالغہ سے کام نہیں لیا۔

ہندوستانی موسیقی پر بھی امیر کا بڑا احسان ہے۔ انھوں نے ضرورت

کو ملحوظ رکھ کر فنی اعتبار سے موسیقی میں کمال حاصل کیا اور نہ صرف نئے نئے راگوں کی بنیاد قائم کی بلکہ طبلہ، ستار وغیرہ اقسام کے ساز بھی ایجاد کیے۔ ان کے بعد جس قدر بھی ماہرین موسیقی پیدا ہوئے انھوں نے نہ صرف اُن کا اتباع کیا بلکہ تان سین نے اس کتاب کے آخری راگ زنگولہ کے گانے میں امیر کا نائک ہونا تسلیم کیا ہے۔ جو اس زمانے کا اعلیٰ ترین موسیقی کا خطاب تھا شاہ اودھ واجد علی شاہ نے بھی جو فن موسیقی کے ماہر تھے اپنی تصنیف صوت المبارک میں نائک ہونا تسلیم کیا ہے۔ نائک گوپال جو اس زمانے کا موسیقی دانی میں فرد اور یکتائے روزگار تھا امیر کی صحبت میں رہ کر راگوں کی تعلیم حاصل کیا کرتا تھا۔ لیکن واضح رہے کہ سماع کی یہ صحبتیں بزرگوں کے تفریحی مشاغل نہ تھے بلکہ حمد و ثنا اور رموز عشق الٰہی کے اشعار سے جو ان کو لطف و سرور حاصل ہوتا تھا اس کو عبادت کا درجہ حاصل تھا۔

برخلاف اس کے اس آخرت فراموش دور میں جبکہ نفسانی خواہشات نے راگ رنگ اور لہو و لعب کو انسانیت کے لیے ایک مستقل فتنہ بنا دیا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اکابر اور اسلاف کے مشاغل موسیقی کے واقعات کو کہیں حیلہ جو طبیعتیں حجت بنا کر اخلاقی حدود سے نہ گذر جائیں۔ دراصل تصوف کا طغرائے امتیاز محض ساز آواز اور راگنیاں ہی نہیں، بلکہ تزکیۂ نفس ہے جس کی جھلکیاں آپ کو اس کتاب میں جا بجا نظر آئی ہوں گی۔

حضرت امیر کو نجوم میں بھی دسترس حاصل تھی جو ان کے کلام سے ثابت ہے بعض مختلف برجوں میں مختلف سیاروں اور ستاروں کی جائے

Marfat.com

وقوع کا مبارک یا منحوس اثر، قرآن، تثلیث، تسدیس وغیرہ رمل کی رو سے بارہ خانوں کے خواص غرض کہ نجوم کے متعلق انہی تمام جزویات سے واقفیت حاصل تھی اور ان حالات کو ایک خاص شاعرانہ انداز میں بیان کرنا بھی انہی کا حصہ تھا۔

مثنوی نُہ سپہر میں انھوں نے سلطان محمد یعنی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے بیٹے کی پیدائش کا ذکر کرتے ہوئے جو زائچہ اور فال نامہ لکھا ہے وہ ان کے کمال کی بہترین مثال ہے۔

اہلِ ہنود کے بعض قدیم علوم مثلاً سحر اور طلسمات وغیرہ کی طرف بھی انھوں نے توجہ کی تھی اور غالباً اور زیادہ توجہ کرتے اگر انھیں اپنے پیر کا خیال مانع نہ ہوتا کہ یہ شرعِ اسلامی کے خلاف ہے کیونکہ بیعت کے بعد ان کو اس قسم باتوں میں زیادہ احتیاط ہو گئی تھی اور مذہبی پابندی کا خیال ہر چیز پر غالب تھا۔ نہ سپہر میں اس توجہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ "من قدے برسرِ ایں کار شدم"

زبان دانی کے لحاظ سے آپ کو ہندی، فارسی، عربی اور ترکی زبانوں پر عبور حاصل تھا غرض کہ آپ سپاہی، درویش، صوفی، عالم، شاعر، موسیقار، درباری سب ہی کچھ تھے۔ طبعاً زندہ دل تھے اور قوم کی فلاح کا بھی جذبہ تھا۔

یہ تمام خوبیاں اگر یکجا کی جائیں تو آپ کی زندگی بلحاظ دینی اور دنیوی کس قدر کامیاب تھی اور ان کے بعد اس طویل عرصہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا جو ان صفات کا حامل ہوتا۔ جو تصانیف آپ کی زمانے کے دست برد سے بچ گئی ہیں اور جن سے امیر کے حالات معلوم ہوئے ہیں وہ تو یقینی ہیں لیکن بعض ان کے ہم عصر مورخین اور مولفین نے بھی جو کچھ امیر کے بارے میں لکھا ہے وہ

Marfat.com

بھی یقیناً صحیح ہے۔ اِن سب دشواریوں کا بھی ہمیں بخوبی احساس ہے کہ نہ اِس زمانے میں چھاپے خانے عام تھے نہ کاغذ کی فراوانی تھی، نہ اخبار اور رسالے تھے، نہ زمانے کی تاریخ مرتب کرنے کا شوق تھا، ظاہر ہے کہ ان تمام دشواریوں کے پیشِ نظر روایات ہی واقعات کو زندہ رکھنے کا واحد ذریعہ تھیں اور جب پوچھے تو بعض اقوام عالم کی نسلی، مذہبی، معاشرتی اور تمدنی تاریخ کا بڑا حصہ روایات ہی تو ہیں جنھوں نے صدیاں گذر جانے کے بعد کتابی شکل اختیار کی ہے۔

مَیں نے حتی الوسع ان تمام حالات کو مدِ نظر رکھ کر احتیاط سے کام لیا ہے اور جابجا بطورِ سند تواریخ اور کتابوں کے حوالے بھی دیے ہیں۔

اس اندیشہ سے کتاب زیادہ ضخیم نہ ہو جائے اکثر غیر ضروری اور غیر دلچسپ واقعات کو نظر انداز کر دیا ہے، بہر حال امیر کے حالاتِ زندگی کی فراہمی اور موسیقی کی تحقیقات کے سلسلہ میں جو کچھ مجھ سے ہو سکا، وہ مَیں نے کیا، اب آگے اہلِ ذوق اور اہلِ نظر حضرات توجہ فرمائیں۔

میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ کتاب غلطیوں سے پاک ہے۔ اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہے تو چشم پوشی فرمائیے اور سمجھ لیجیے کہ خطا اور نسیاں انسان کی سرشت میں داخل ہے اور باوجود احتیاط کے بھی اس سے نجات نہیں ملتی۔

نقی محمد خان خورجوی
۱۲۱۔ لاجپت رائے جمشید کوارٹرز کراچی نمبر ۵

مطبوعات

بہ سلسلہ آموزش حیات

نام کتاب	مختصر تفصیل	قیمت
فرض شناسی سموئیل سمائیل ترجمہ سید ناظر حسن زیدی	عملی نفسیات کا ایک آزمودہ کلاں نسخہ سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۳۰۰ صفحات مجلد	۴/۰/-
ہم اور نفسیات عابدی جعفر	حیات آمیز اور حیات آموز سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۴۲۵ صفحات مجلد	۲/۸/-
فلسفۂ کامرانی حسین انور	عملی نفسیات پر اہم ترین کتاب سائز ۵ ۱/۲ × ۹ ضخامت ۵۲۸ صفحات	۸/۰/-
دولت آپ کے قدموں میں حسین انور	عظیم اور کامیاب زندگی کی راہ نما سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۵۰۴ صفحات	۶/۰/-
خود شناسی عابدی جعفر	آپ کیا ہیں —— ایک لمحہ فکریہ سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۳۱۲ صفحات	۲/۸/-
ہر دل عزیزی عابدی جعفر	زندگی کو خوش گوار بنانے کا راز سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۲۰۲ صفحات	۴/۰/-
نفسیاتی علاج رئیس احمد جعفری	علاج نفسی اور امراض خلقی کے موضوع پر علمی اور سائنٹفک تصنیف سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۳۰۴ صفحات مجلد	۳/۰/-
راز قدرت پروفیسر قمر الزماں	مادہ پرستی کے سحر کو باطل کرنے والی ایمان افروز تصنیف سائز ۶ ۳/۴ × ۸ ۱/۲ ضخامت ۲۴۰ صفحات	۳/۰/-
زندگی سے فائدہ اٹھائیے کمال احمد رضوی	فن زندگی پر ایک مجتہدانہ تصنیف سائز ۵ × ۷ ۱/۲ ضخامت ۱۸۰ صفحات	۲/۰/-

شیخ غلام علی اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی

نام کتاب	مختصر تفصیل	قیمت
ننھے منوں کی نفسیات پروفیسر صوفی گلزار احمد ایم۔ اے	شیر خوار بچوں کا نفسیاتی مطالعہ سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۱۶۴ صفحات	1/12/-
مطمئن رہیے محمد شفیع الدین	آسودگی خاطر کی عملی نفسیات سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۵۶ صفحات	2/8/-
سائنس اور جرم علی ناصر زیدی ایم ایس سی (علیگ)	جرائم اور ان کے پس منظر میں ایک عملی تجزیہ سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۳۱ صفحات	3/8/0
فلسفہ تعلیم و تربیت رئیس احمد جعفری	موضوع کے اعتبار سے حیرت انگیز اور قابل رشک تصنیف سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۶۸ صفحات	2/12/0
تکلیف و اذیت رئیس احمد جعفری	روز آفرینش سے لیکر اب تک کے انسانی مسائل و زندگی کا تجزیہ سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۸۸ صفحات	3/-/0
تحلیل نفسی حزب اللہ ایم۔ اے	حقیقت کو اصل روپ میں دیکھنے کے لیے سائز ضخامت ۱۲ صفحات اردو ٹائپ میں	12/0/0
تعلیمی نفسیات پروفیسر عبدالحی علوی	تعلیم کے علمی، فنی اور تکنیکی نکات سائز ۵" × ۷½" صفحات ۶۸ صفحات اردو ٹائپ میں	10/0/-
دوست ہو دوست بناؤ نسیم امروہوی	کردار انسانی کے لیے تعمیری لائحہ عمل سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۵۴ صفحات	2/8/-
نوجوانوں کی نفسی بیماریاں ڈاکٹر محمد بشارت علی قریشی	نوجوانوں کا نفسیاتی مطالعہ یہ کتاب قوم کی باطنیت قوتیت اور مافوق الطبعی گہرائی جو آسودہ خواب کیلئے تازیانہ ہے سائز ۵" × ۷½" ضخامت ۲۶۴ صفحات	2/8/-
ہمارے بچے (چار جلدوں میں) ظہور الحق قریشی	بچوں کی نفسیات پر مفید ترین کتاب سائز ۵" × ۷½" ضخامت جلد اول ۲۱۰ - ۲/- جلد دوم ۱۶۰ ۱/۸/- جلد سوم ۱۲۸ ۱/- جلد چہارم ۲۳۰ ۲/-	مکمل سٹ 9/4/-

Marfat.com

Marfat.com

باقیاتِ ترجمان القرآن

تفسیر علوم قرآن

علوم قرآن میں جو درجہ مولانا ابوالکلام احمد آزاد کی ترجمان القرآن کو حاصل ہے، وہ محتاجِ تعارف نہیں۔ ترجمان القرآن اول و دوم کے بعد جلد سوم کا انتظار مدت سے تھا۔ لیکن مولانا مرحوم کے مسودات میں اس کا سراغ نہ مل سکا۔

مولانا غلام رسول مہر نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تمام تحریرات، تصانیف، مسودات وغیرہ کا مطالعہ کر کے وہ تمام آیات مع تفسیر چھانٹ لیں، جن کا تعلق ترجمان القرآن جلد سوم سے تھا۔ طالبانِ ترجمان کے لیے یہ نادر و نایاب مرقع مولانا آزاد کی اپنی تحریروں سے مرتب کیا گیا ہے۔

باقیات ترجمان القرآن، جلد سوم، سائز $\frac{20 \times 29}{8}$، مجلد ڈائی دار، 8/- روپے

ترجمان القرآن، جلد دوم سائز $\frac{20 \times 29}{8}$، مجلد ڈائی دار، 17/50 "

ترجمان القرآن، جلد اول سائز $\frac{20 \times 29}{8}$، مجلد ڈائی دار، 12/50 "

ترجمان القرآن کامل تین حصے 38/- روپے

انبیائے قرآن: کامل چار حصے

قرآن کریم میں مذکورہ تمام انبیائے کرام کے مفصل و جامع حالات، تاریخی و علمی لحاظ سے مستند اور معیاری جس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ نے فرمایا ہے کہ اس کا مطالعہ فہم قرآن میں بھی ممد و معاون ثابت ہوگا۔

انبیائے قرآن: حصہ اول — از: محمد جمیل احمد ایم۔ اے
حضرت آدمؑ سے حضرت یوسفؑ تک از ابتدا تا ۱۸۱۷ ق۔ م
تقریباً ۴۰۰ صفحات بڑا سائز۔ ۳۲ نقشے و تصاویر۔ مجلد 11/- روپے

انبیائے قرآن: حصہ دوم — از: محمد جمیل احمد ایم۔ اے
حضرت ایوبؑ سے حضرت یوشعؑ تک ۱۶۰۰ قبل مسیح تا ۱۱۰۰ ق۔ م
تقریباً ۳۵۰ صفحات بڑا سائز۔ ۲۲ نقشے و تصاویر۔ مجلد 10/- روپے

انبیائے قرآن: حصہ سوم — از: محمد جمیل احمد ایم۔ اے
حضرت شموئیلؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک ۱۱۰۰ ق۔ م تا ۳۳ء
تقریباً ۶۰۰ صفحات۔ بڑا سائز۔ ۳۲ نقشے و تصاویر۔ مجلد 13/50 روپے

انبیائے قرآن: حصہ چہارم — از مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی
حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات و سوانح قرآنی اسناد کے ساتھ۔
تقریباً ۵۰۰ صفحات۔ بڑا سائز۔ ۳۲ نقشے و تصاویر۔ مجلد 12/50 روپے

انبیائے قرآن، کامل ہر چہار حصے 47/- روپے

دیگر اردو تفاسیر قرآن پاک

۱۔ تفسیر بیان القرآن کامل ۱۲ حصے از مولانا اشرف علی تھانویؒ ہدیہ کامل مجلد 45/- روپے
۲۔ تفسیر حقانی کامل ۸ حصے از مولانا عبدالحق حقانی دہلویؒ ہدیہ کامل مجلد 95/- "
۳۔ تفسیر موضح القرآن کامل از شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ ہدیہ مجلد 12/- "
۴۔ تفسیر تبویب القرآن کامل از مولانا وحید الزمان حیدر آبادی ہدیہ مجلد 10/- "

مکمل فہرست کتب طلب کرنے پر ارسال کی جاتی ہے

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور

مالکان: علمی پرنٹنگ پریس۔ لاہور

Marfat.com